تاریخ بطور افسانہ: اردو افسانے میں گوتم بدھ کے افکار اور کردار کی فکری جہات کا مطالعہ

(Fictionalizing History: The Study of Thoughts and character of Gautam Buddha in Urdu Short Stories)

مقالہ

برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار:

ماریہ سلیم

شعبہ اردو زبان و ادب، فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۲۲ء

تاریخ بطور افسانہ: اردو افسانے میں گوتم بدھ کے افکار اور کردار کی فکری جہات کا مطالعہ

(Fictionalizing History: The Study of Thoughts and character of Gautam Buddha in Urdu Short Stories)

مقالہ نگار

ماریہ سلیم

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)

شعبہ اردو زبان و ادب، فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۲۲ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگوئجز کو اس کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **تاریخ بطور افسانہ: اردو افسانے میں گوتم بدھ کے افکار اور کردار کی فکری جہات کا مطالعہ**

پیش کار: ماریہ سلیم

رجسٹریشن نمبر: 25/MPhil/Urdu/F20

ماسٹر آف فلاسفی

(اردو زبان و ادب)

ڈاکٹر عابد حسین سیال

نگران مقالہ

_____

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

_____

تاریخ:

_____

اقرارنامہ

میں ماریہ سلیم حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد کے ایم۔فل اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابد حسین سیال کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور ادارے یا یونیورسٹی میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

_____

ماریہ سلیم

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

۲۰۲۲ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	viii
اظہارِ تشکر	ix
باب اول: تمہید اور بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
i. موضوع کا تعارف	۱
ii. بیان مسئلہ	۱
iii. مقاصد تحقیق	۲
iv. تحقیقی سوالات	۲
v. نظری دائرہ کار	۲
vi. تحقیقی طریق کار	۳
vii. مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق	۴
viii. تحدید	۵
ix. پس منظری مطالعہ	۵
x. تحقیق کی اہمیت	۷
(ب) گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت کا ماحول (پس منظر)	۸
(ج): گوتم بدھ کا تعارف	۱۰

(د): بدھ مت مذہب کی تعلیمات اور ان کے اثرات ۱۲
(ہ): گوتم بدھ اور اردو ادب (نثر، نظم) ۲۱
حوالہ جات ۲۴
باب دوم: گوتم بدھ سے اثر پذیر کرداروں کا مطالعہ ۲۵
الف: نام کی بنیاد پر کرداروں کا مطالعہ ۲۵
۱۔ گوتم ۲۵
۲۔ سدھارتھ / سدھارما ۳۰
۳۔ بدھ / بدھا ۳۴
ب: خصوصیات کی بنیاد پر کرداروں کا مطالعہ ۴۰
۱۔ شخصی خصوصیات ۴۰
۲۔ روحانی خصوصیات ۴۴
حوالہ جات ۵۰
باب سوم: اردو افسانے پر گوتم بدھ کے افکار کے اثرات کا مطالعہ ۵۲
الف: اخلاقی افکار ۵۲
۱۔ محبت ۵۲
۲۔ قناعت ۵۸
۳۔ دکھاوے اور تعصب سے پرہیز ۶۱
ب: انسان دوستی کے تصورات ۶۵
۱۔ امن و سلامتی ۶۵
۲۔ احترام انسانیت ۷۰
ج: فلسفیانہ تصورات ۷۵
۱۔ زندگی اور غم ۷۵

۲۔ غم اور خواہش ۸۷
د: متصوفانہ تصورات ۹۱
ا۔ تپسیا ۹۱
۲۔ نروان ۹۵
۳۔ یوگ اور سنیاس ۱۰۲
حوالہ جات ۱۲۰
باب چہارم: مجموعی اثرات کا مطالعہ ۱۲۵
الف: کرداروں کے حوالے سے مجموعی اثرات کا مطالعہ ۱۲۷
ب: افکار پر مجموعی اثرات کا مطالعہ ۱۲۸
نتائج ۱۳۰
سفارشات ۱۳۲
کتابیات ۱۳۳

Abstract

Title: Fictionalizing History: The Study of Thoughts and Character of Gautama Buddha in Urdu Short Stories

The proposed research work is based on the depiction of Gautama Buddha's character and thoughts in Urdu short stories. For the study under this research project the material containing the interrelationship of history and fiction was considered. In the light of this research an explanatory index of legend has been made in which the quality of the legend as well as its connection with the research topic has been marked. This research work consist of four chapters .The first chapter is entitled introduction and Basic discussions.It includes the environment at the time of the birth of Goutama Buddha,introduction of Goutama,teachings and influences of Buddhism,Gautama and urdu literature. The second chapter includes a study of influential Characters from Gautama Buddha.This chapter is further divided into two parts.The first part deals with the study of characters based on name while the second part includes the study of characteristics.The third chapter includes a study of the influence of Gautama Buddha's thoughts on urdu fiction.This chapter is further divided into four parts.In this chapter an analysis of the legends written under the moral values,philanthropy and philosophical concepts is presented in the light of Buddha's thoughts. The final chapter consists of overall evaluation, results and recommendations. Due to this research work the readers will get the fictional material related to the character and thoughts of the historical personality Gautama Buddha.

اظہارِ تشکر

تحقیقی کام محنت طلب اور کٹھن مرحلہ ہے جس میں کامیابی کا حصول اللہ تعالیٰ کے خاص کرم اور اساتذہ کرام کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں، میں اس کرم پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے زندگی کے تمام مشکل راستوں میں میرا ساتھ دیا اور میرے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ زندگی کے باقی معاملات کی طرح تحقیقی مرحلہ کو عبور کرنے میں میری ہر لمحہ مدد کی۔ میں اپنے والدین کی شکر گزار ہوں جن کے تعاون اور شفقت کے بغیر میرے لیے آگے بڑھنا ممکن ہی نہیں۔ میں اپنے نگران ڈاکٹر عابد حسین سیال کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جن کی بہترین نگرانی اور خوش اخلاقی نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ ڈاکٹر نعیم مظہر جنہوں نے فن تحقیق سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم سمیت نمل کے شعبہ اردو کے تمام افراد اور نمل کی لائبریری کے عملے کا شکریہ جنہوں نے تحقیقی کام کے لیے مناسب اور پر سکون ماحول فراہم کیا۔ اپنے دوستوں کی مشکور ہوں جنہوں نے ہمیشہ مجھے اپنی قیمتی آرا سے مستفید کیا اور اس کٹھن مرحلہ کو اپنے تعاون اور محبت سے میرے لیے آسان بنایا۔

نگران ڈاکٹر عابد حسین سیال صاحب کی شکر گزار رہوں گی کہ جنہوں نے بہترین اور مناسب موضوع کے انتخاب میں میری رہنمائی کی اور میری ہر ٹیلی فون کال کا جواب دیا۔ آخر میں ہر اس مہربان شخص کی شکر گزار ہوں کہ جس نے تحقیقی کام میں میری مدد کی۔

ماریہ سلیم

ایم۔فل اسکالر (اردو)

باب اول: تعارف اور بنیادی مباحث

۱۔ موضوع کا تعارف (Introduction)

گوتم کو بدھا اور بدھ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بدھا بدھ مت مذہب کے بانی ہیں جو مذہب، فلسفے اور تصوف کے حوالے سے تاریخ کی ایک نمایاں شخصیت ہیں۔ گوتم کو دنیا کے قلم کاروں نے اپنے شاہکاروں میں جگہ دی۔ اردو ادب کا دامن بھی گوتم کی تعلیمات اور کردار کے اثرات سے خالی نہیں۔ اردو ادب کی دونوں اصناف (نظم و نثر) میں گوتم کی تعلیمات و کردار کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

افسانے کے حوالے سے دیکھیں تو چونکہ گوتم نے فلسفی یا مصلح کی حیثیت سے اپنی تعلیمات پیش کیں، یہی اخلاقی تعلیمات اور گوتم کا بھکشو کی سی زندگی گزارنے کا ڈھنگ اردو افسانے میں نمایاں ہوا۔ مجوزہ تحقیق کے ذریعے اردو افسانے میں گوتم بدھ کے کردار اور افکار کے پرتو کی فکری جہات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہمارے سامنے دو طرح کے افسانے آتے ہیں اول ایسے افسانے ہیں جن میں گوتم کے کردار کو من و عن پیش کیا گیا ہے۔ یعنی کردار میں وہ خصوصیات دکھائی گئی ہیں جو گوتم بدھ کی شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ دوم ایسے افسانے جن میں گوتم کے کردار کو ہو بہو پیش نہیں کیا گیا بلکہ افسانہ نگاروں نے افسانے میں صرف گوتم نام کے استعمال پر اکتفا کیا ہے۔ اسی طرح گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کو جن جن افسانوں میں جس انداز میں پیش کیا گیا ہے، ان کا مطالعہ بھی مجوزہ تحقیق کا حصہ ہے۔

۲۔ بیان مسئلہ (Statement of Problem)

گوتم بدھ کا کردار تاریخ میں مختلف حوالوں سے اہم گردانا گیا ہے جس میں امن، شانتی، نروان، دکھ، تیاگ وغیرہ شامل ہیں۔ گوتم کی تعلیمات میں انسان دوستی اور اخلاقیات کے پہلو نمایاں ہیں۔ فکشن کے تخلیق کاروں نے انسانی رویوں کے بارے میں لکھتے ہوئے گوتم کے ان حوالوں سے استفادہ کیا ہے اور مختلف پہلو اجاگر کیے ہیں، تاہم تاریخ کے کردار کو فکشن کا کردار بنانے میں حسبِ ضرورت اس میں ترامیم کی گئی ہیں۔ اس لیے یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ تاریخ اور فکشن کے کردار میں موجود یہ فرق کتنا اور کس کس نوعیت کا ہے۔ یہی مجوزہ تحقیق کا بنیادی مسئلہ ہے۔

۳۔ مقاصدِ تحقیق(Research Objectives)

- تاریخ اور فکشن کے فرق کے تناظر میں اردو افسانے میں گوتم کے افکار و تعلیمات کے اثرات کا جائزہ لینا۔
- اردو افسانے میں گوتم بدھ سے متاثر کرداروں کا تجزیہ کردار نگاری اور تاریخ کے تناظر میں کرنا۔
- گوتم کے تاریخی کردار اور افسانوی کردار میں اشتراکات و اختلافات کی صورتوں کو اجاگر کرنا اور ان کا تجزیہ کرنا۔

۴۔ تحقیقی سوالات(Research Questions)

مجوزہ مقالے میں درج ذیل تحقیقی سوالات پیش نظر رکھے گئے:

۱۔ گوتم بدھ کے تاریخی کردار سے منسوب کونسے افکار و تعلیمات اردو افسانے کا حصہ بنے ہیں اور اس سے اردو افسانے کی فکری فضا پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

۲۔ تاریخ بطور فکشن کے تصورات کی روشنی میں اردو افسانے میں گوتم کا نام یا خصوصیات رکھنے والے کرداروں میں گوتم کے تاریخی کردار کی کارفرمائی کی نوعیت کیا ہے؟

۵۔ نظری دائرہ کار(Theoretical Framework)

مجوزہ تحقیقی کام اردو افسانے میں گوتم بدھ کے کردار اور افکار کی عکاسی پر مبنی ہے۔ اس تحقیقی منصوبے کے تحت مطالعے کے لیے تاریخ اور فکشن کے باہمی ربط پر مشتمل مواد مد نظر رکھا گیا ہے۔ تاریخ کو فکشن میں ڈھالنے کی روایت نئی نہیں۔ فکشن میں سمونے کے لیے تاریخی واقعات میں تخیل کا عنصر شامل کیا جاتا ہے کیونکہ واقعات کو من و عن بیان کرنے سے تاریخ جنم لیتی ہے اور واقعات میں تخیل کی آمیزش فکشن کو جنم دیتی ہے۔ لہذا گوتم بدھ کے افکار و کردار کو تاریخ کے اوراق سے نکال کر فکشن میں جگہ دیتے ہوئے مصنفین نے تخیل کا سہارا لیا جس سے گوتم بدھ کے کردار وافکار میں داستانوی عناصر در آئے ہیں۔ مجوزہ تحقیق میں فکشن کے لوازمات اور تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے گوتم کے کردار و تعلیمات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بنیادی کتاب نزہت سمیع الزمان کی "تاریخ اور افسانہ" ہے۔ ان کے مطابق تاریخی حقائق کو فکشن بنانے کے لیے ہمارے ادبا مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں:

i. بعض ادیب اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردوبدل کو

جائز سمجھتے ہیں۔

ii. بعض ادبا مختلف تاریخی ادوار کی تصویر کشی کرتے وقت کشاکش کے موضوع کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

iii. کچھ ادبا تاریخی حقائق کے دوران انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

iv. بعض ایسے بھی مصنفین ہیں جو غیر جانبدار مؤرخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن رکھتے ہیں۔ اور ان تاریخی کرداروں اور واقعات کو عوام تک پہنچانے کے لیے تاریخی ناولوں کا سہارا لیتے ہیں۔

v. کچھ ادیب تاریخی دور کو از سرِ نو زندہ کرنے کے لیے دماغ سوزی کرنے کی بجائے تاریخی واقعات کو رومان انگیز انداز میں سامنے لاتے ہیں اور کہانیوں کی صورت میں تاریخی واقعات کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ رومان کے ذریعے تاریخی کرداروں اور واقعات کو دلچسپ بنایا جاتا ہے۔

vi. بعض لکھاری تاریخی حقائق کو فکشن بناتے وقت مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ بعض اوقات مبالغہ آرائی سے اس قدر کام لیا جاتا ہے کہ ایسے کردار جو تاریخ میں موجود نہیں ہوتے، ان کو بھی تاریخ کا حصہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

گوتم بدھ ایک تاریخی کردار ہے جسے متنوع صورتوں میں اردو افسانے میں پیش کیا گیا ہے۔ مجوزہ تحقیق میں مندرجہ بالا صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے منتخب افسانوں میں گوتم کے کردار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار (Research Methodology)

مجوزہ موضوع پر تحقیق کے لیے دستاویزی اور تاریخی طریقہ تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ بنیادی ماخذات میں منتخب افسانوں کا مطالعہ شامل ہے۔ اس مطالعے کی روشنی میں زمانی ترتیب سے افسانوں کا توضیحی اشاریہ بنایا گیا جس میں افسانے کے کوائف کے ساتھ ساتھ موضوعِ تحقیق سے اس کے انسلاک کی نشاندہی کی گئی ہے۔ افکار اور کرداروں کے حوالے سے لکھے گئے افسانوں کی فہرست سازی الگ الگ سے کی گئی ہے اور

الگ الگ ابواب میں دونوں حوالوں سے فہرست ابواب میں دیے گئے عنوانات کے تحت افسانوں کا فکری تجزیہ کیا گیا ہے۔ آخر میں مجموعی جائزہ، نتائج اور سفارشات پیش کی گئیں ہیں ۔ تحقیق کے حاصلات کی پیش کش بیانیہ طریقے سے کی گئی ہے۔

۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق (Works Already Done)

تاریخ کو فکشن میں سمونے کی روایت پرانی ہے۔ بہت سی تاریخی شخصیات کے حوالے سے تحقیقی کام ہوتا رہا ہے مگر گوتم بدھ کے کردار اور تعلیمات کا افسانے میں برتاؤ پر فی الحال کوئی کام نہیں ہوا۔ مجوزہ موضوع سے قریب تر موضوعات پر جو تحقیقی کام کیا گیا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے:

۱۔ ماجد ممتاز کا مقالہ "اردو ناول میں مذہبی عناصر: تجزیاتی مطالعہ" جون ۲۰۱۵ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد میں مکمل کیا گیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں "بدھ مت" مذہب کی تعلیمات، مذہبی کتابوں اور اس مذہب کے مختلف پہلوؤں کا جامع تذکرہ کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ بدھ مت کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ آگے چل کر ناولوں میں اس کے تذکرے پر معمولی نوعیت کی نشاندہی موجود ہے تاہم گوتم کے کردار کے حوالے سے وضاحت کے ساتھ تجزیہ مقالے کے دائرہ کار میں شامل نہیں۔

۲۔ نازیہ یونس نے "پاکستانی اردو افسانے میں خواتین کے مسائل: تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد ہی سے پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا ہے۔ مقالہ نگار نے پاکستانی اردو افسانے میں خواتین کے مسائل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے سے قبل برصغیر کے بڑے مذاہب میں عورت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ یوں ضمنی طور پر بدھ مت میں عورت کو جو مقام حاصل ہے اس حوالے سے مختصر طور پر بات کی گئی ہے۔

۳۔ رخشندہ بتول نے "ہرمن ہیسے اور قرۃ العین حیدر کا تقابلی مطالعہ" کے عنوان سے جی سی یونیورسٹی، لاہور سے ۲۰۱۷ میں ایم فل کا مقالہ مکمل کیا ہے۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے ہرمن ہیسے اور قرۃ العین حیدر کا تعارف اور ان کے فن پاروں کا موضوعاتی، اسلوبی اور کرداری تقابل پیش کیا ہے۔ ہرمن ہیسے اور قرۃ العین حیدر کے اہم کرداروں سدھارتھ اور گوتم نیلمبر کا موازنہ اس مقالے میں بیان کیا گیا ہے، تاہم یہ موازنہ ان اصولوں کی روشنی میں نہیں ہے جو تاریخ کو فکشن

بنانے کے لیے مجوزہ تحقیق کے نظری دائرہ کار میں شامل کیے گئے ہیں۔

۴۔ آمنہ ملک کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "اردو افسانے میں باغیانہ رویے" کے عنوان سے ۲۰۱۴ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد میں مکمل کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے شفیق انجم کے ایک افسانے "دنیا دکھ ہے" کو شامل کیا ہے۔ یہ افسانہ گوتم کی تعلیمات سے متاثر ہے تاہم مقالے میں اس کا تجزیہ اس زاویے سے مفصل نہیں ہے۔

۵۔ "پاکستانی اردو ناولوں میں اسلامی فکر کی عکاسی" کے عنوان سے حافظ نعیم مظہر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ۲۰۰۷ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد سے مکمل ہوا۔ اس میں بھی سرسری طور پر گوتم بدھ اور بدھ مت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر جامعات میں مکمل ہونے والے بعض مقالات میں بھی اسی نوع کے تذکرے موجود ہیں تاہم تاریخ اور فکشن کے تفاوت کے تناظر میں تجزیات موجود نہیں ہیں۔

۸۔ تحدید (Delimitation)

گوتم بدھ کا تعارف، تاریخی اور ادبی حوالے سے گوتم کے کردار اور تعلیمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ادب کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ گوتم کے کردار اور تعلیمات کو ادب کی تقریباً تمام اصناف میں برتا گیا ہے۔ مگر مجوزہ تحقیق میں صرف افسانوں کو شامل کیا گیا ہے جبکہ دیگر اصنافِ ادب یعنی ناول، ڈرامے، سفرنامے، شاعری وغیرہ شامل نہیں۔ افسانوں میں ان افسانوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جن کی بنیاد بدھ مت کی بنیادی تعلیمات پر رکھی گئی ہے اس کے علاوہ وہ افسانے بھی شامل ہیں جن میں کردار بنام گوتم، سدھارتھ، بدھا وغیرہ موجود ہیں، خواہ ان میں گوتم بدھ والی خصوصیات موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اردو ادب کے تمام ادوار سے اس نوع کے نمائندہ افسانوں کو تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔

۹۔ پس منظری مطالعہ (Literature Review)

مجوزہ موضوع پر کام کرنے کے لیے جن کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے ان میں گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات پر لکھی جانے والی تصانیف، افسانوی مجموعے، مقالہ جات، لغت، انٹرنیٹ پر موجود مضامین (ہسٹری اور فکشن کے حوالے سے) وغیرہ شامل ہیں۔ چند ایک اہم مآخذ درج ذیل ہیں:

۱۔ "گوتم بدھ: سوانح و تعلیمات" کے عنوان سے ڈاکٹر حفیظ کی کتاب انجمن ترقی اردو، دہلی نے

۱۹۴۲ میں شائع کی جس میں مفصل طور پر گوتم کے بارے میں بنیادی معلومات دستیاب ہیں۔

۲۔ تاریخ اور فکشن کے تعلق کی تفہیم کے لیے "تاریخ اور افسانہ" کے عنوان سے نزہت سمیع الزماں کی کتاب ہے جو دانش محل، لکھنؤ، سے ۱۹۸۵ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنفہ نے تاریخ کے فکشن بننے کے حوالے سے بعض نظری مباحث دیباچے میں پیش کیے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عملی تنقید کے نمونے کے طور پر اردو فکشن کے چند اہم شاہکاروں کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں پیش کیے گئے نظری مباحث کے اہم نکات کو مجوزہ تحقیق کے نظری دائرہ کار کے طور پر لیا گیا ہے۔

۳۔ گوتم بدھ کی زندگی پر بنائی گئی ایک فلم "Tathagatha Buddha" کو بھی شامل مطالعہ کیا گیا ہے جو ۲۰۰۷ میں منظرِ عام پر آئی اور یوٹیوب پر دستیاب ہے۔ اس فلم کے ڈائریکٹر Allani Sridhar، پروڈیوسر K. Raja Sekhar جبکہ مصنف D.K. Goel ہیں۔

۴۔ بعض شعری تخلیقات بھی پس منظری مطالعے میں شامل کی گئی ہیں جن میں اسلم انصاری کی معروف نظم "دنیا دکھ ہے" اور خلیل الرحمن اعظمی کی نظم "میں گوتم نہیں ہوں" قابل ذکر ہیں۔

۵۔ اردو کے علاوہ علوم اسلامیہ کے بعض مقالات میں بھی گوتم اور اس کے افکار کا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں فوزیہ بتول کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "مذاہب قدیمہ میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ قرآن حکیم کے تناظر میں (تحقیقی و تقابلی جائزہ) کے عنوان سے ہے جو ۲۰۱۷ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد میں مکمل ہوا۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے بدھ مت مذہب میں حضرت محمد ﷺ کے تذکرے کی تفصیلات شامل کی ہیں۔ اسی طرح مہوش عروج کے ایم فل کے مقالے بعنوان "تصوف میں شامل غیر اسلامی تصورات، برصغیر کے تناظر میں" جو ۲۰۱۱ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد میں مکمل ہوا، میں بھی تصوف کے تناظر میں بدھ مت کی تعلیمات اور گوتم بدھ کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۔ نمل کے جریدے "تخلیقی ادب" کے تیسرے شمارے مطبوعہ ۲۰۰۶ میں صوبیہ سلیم کا

مضمون "سدھارتھ کا فنی و فکری جائزہ" شامل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ہرمن ہیسے کے ناول کے ترجمہ شدہ متن بعنوان "سدھارتھ" کے تجزیے پر مشتمل ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے حوالے سے اس سے قبل ایک تحقیقی مقالے میں بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

۷۔ عشرت ظہیر کے افسانوی مجموعہ "ابھرتی ڈوبتی لہریں" مطبوعہ ۱۹۷۰ میں تین افسانے بعنوان "کپل وستو"، "میں گوتم ہوں" اور "بازیافت" مجوزہ تحقیق کے موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ گوتم بدھ کے افکار و تعلیمات کو موضوع بناتے ہیں۔

۸۔ گوتم بدھ کے حوالے سے ایک تازہ مضمون بعنوان "کیا آپ گوتم بدھ سے ملنا چاہیں گے" کے عنوان سے زیف سید نے تحریر کیا ہے جو مجلہ "حروف" اسلام آباد کے ۲۰۲۱ کے شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون بہت دلچسپ انداز میں گوتم بدھ کے احوال کا بیان کرتا ہے۔

اسی نوع کا دیگر مواد وافر مقدار میں انٹرنیٹ کے مآخذ پر موجود ہے جس سے مقالے میں استفادہ کیے جانے کی توقع ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت (Significance of Research)

مجوزہ تحقیق گوتم بدھ کے کردار اور تعلیمات کے حوالے سے اہم ہے گوتم بدھ کی تعلیمات و کردار سے نہ صرف تاریخ کے اوراق مزین ہیں بلکہ اردو ادب کا دامن بھی بھرا پڑا ہے۔ اردو افسانہ ہر اس دور کی جس میں لکھا گیا ہوتا ہے، تہذیب و تمدن، زبان، مذہب کی نمائندگی کرتا ہے۔ افسانے کا بنیادی موضوع انسان ہے اور انسان سے جڑی ہوئی ایک ایک چیز اس کے لوازمات ہیں لہذا افسانہ معاشرتی حقائق کو بہتر انداز میں پیش کرتا ہے۔ گوتم بدھ کے کردار اور افکار کو افسانہ نگاروں نے منفرد انداز میں وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پرویا ہے۔ مجوزہ تحقیق کی بدولت ان افسانوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جن میں گوتم بدھ کے کردار و تعلیمات کو سمویا گیا ہے۔ اس موضوع کی اہمیت یہ ہے کہ قارئین کو گوتم بدھ کے کردار اور افکار سے متعلق افسانوی مواد یکجا صورت میں مل جائے گا۔

(ب): گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت کا ماحول (پس منظر)

گوتم بدھ کی ولادت کے وقت ہندوستان کی مذہبی ،اخلاقی ،معاشرتی اور سیاسی حالت بدتر تھی۔ اور بڑے پیمانے پر مذہبی، سماجی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

مذہبی حالت:

لوگ ویدوں کو مقدس کتب مانتے تھے اور انہی کے مطابق اپنی زندگیاں گزارتے تھے اسی وجہ سے تاریخ میں یہ دور ویدک زمانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔بظاہر تو ویدوں کا راج تھا۔ مگر مذہبی پیشواؤں، برہمنوں اور پنڈتوں نے ویدوں کی آڑ میں نجات و آخرت کا واحد مالک اور مختار خود کو تسلیم کر لیا تھا۔ ان کی منشاء پر ویدوں کی بنیادی تعلیمات میں تبدیلیاں کی جاتی تھیں۔اور ان تبدیلیوں کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت راجے مہاراجوں کی بھی نہ تھی۔شرک عام تھا۔ مظاہر پرستی، اور فرضی دیوتاؤں کی پوجا بڑے ذوق وشوق سے کی جاتی تھی۔ درختوں، پتھروں، پودوں اور حیوانوں تک کی پرستش کی جاتی تھی۔

معاشرہ ذات پات میں تقسیم تھا۔ سب سے اونچی ذات برہمن تھی جسے ہر طرح کے خدائی حقوق حاصل تھے۔ اور شان وشوکت سے رہنا انہی کے لیے جائز سمجھا جاتا تھا ہر قسم کی مراعات انہی کو حاصل تھیں۔ قربانی اور نذرونیاز ان کے اشیر باد کے بغیر قبول نہ ہو پاتی تھی۔ کوئی گناہ، ظلم، جرم یا زیادتی اس ذات کے لوگوں کو ناپاک نہیں کر سکتی تھی۔ انھیں نہ صرف قانون بلکہ حکومت کی بھی پوری حمایت حاصل ہوتی تھی اسی وجہ سے اس ذات کے لوگ قتل، بدکاری اور بداخلاقی کا مجسمہ تھے۔

> "بدھ مت ہندومت کے نظام معاشرت کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا۔ بدھ مت سے قبل ہندوؤں کے ہاں دیوی دیوتاؤں کی کثرت تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کا دیوتا چن لیتا تھا اور کائنات کی ہر شے معبود تھی۔ معاشرے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ برہمن کو ہندومت میں سب پر فوقیت تھی۔ اگر کوئی برہمن کسی بھی ذات کی عورت کا ہاتھ پکڑ لیتا تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی۔"(۱)

اس کے برعکس دیگر ذاتیں جن کو نیچ خیال کیا جاتا تھا۔ وہ ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ ان کو انسانی حقوق حاصل نہ تھے۔ اور دینی علوم ان کے لیے ممنوع تھے۔ مذہب میں رواسم کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ قربانی، نئی نئی قسم کی پرستشوں، طرح طرح کے چڑھاؤں اور منتوں کا رواج عام تھا۔ اٹھتے بیٹھتے

سوتے، جاگتے، چلتے پھرتے، بے جان اور اکتاہٹ کا شکار کر دینے والے اعمال جانِ بال بنے ہوئے تھے گویا پورا مذہب فلسفیانہ موشگافیوں اور پیچیدہ عقائد کا مجموعہ بنا ہوا تھا جو کہ عام آدمی کی سمجھ سے باہر تھا۔

اخلاقی حالت:

ہندو سوسائٹی میں اخلاقیات کا وجود ناپید تھا۔ شرک کی وجہ سے لوگ اخلاقی تعلیمات سے دور تھے۔ اور یہی اخلاقی جھگڑوں کا سرچشمہ تھا۔ لہذا مذہب کے نام پر زناکاری اور جنسی بے راہ روی عام تھی۔ معاشرے کی بنیادیں قمار بازی، شراب نوشی اور سود خوری سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ عورت کو انسانیت کے درجے سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اسے کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ ویدوں کی تعلیمات میں عورت کو بے وفا، بے وقوف، پنچ اور منافق قرار دیا جاتا تھا۔ جوابازی میں بیویوں کو ہارنا عام بات تھی۔ انھیں مرد کی غلام ،باندی اور ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ مار پیٹ اور گالی گلوچ عام تھی۔ رہبانیت کا پرچار کیا جاتا تھا۔ ننگا پن اور عریانی عام تھی۔ نام نہاد مذہبی پیشوا اور برہمن محنت کشوں، مزدوروں اور غلاموں کی کمائی ہڑپ کرنے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ بچوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور جوان لڑکیوں کی قربانی عام تھی۔

معاشرتی زندگی:

ہندو سماج ذات پات میں بٹا ہوا تھا۔ اونچی ذات والوں کو زندگی کی تمام سہولیات اور حقوق حاصل تھے۔ اس کے برعکس شودروں کو بنیادی انسانی حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ ان کو نیچ، ناپاک، اونچی ذات کے برہمنوں کا غلام اور نوکر سمجھا جاتا تھا۔ ان سے صاف صفائی کا کام لیا جاتا اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کے ہاتھ سے کوئی چیز لے کر کھانا بدترین عمل خیال کیا جاتا تھا۔ ان کو تعلیم اور مذہبی علوم سے دور رکھا جاتا تھا اگر کبھی غلطی سے وہ ویدوں کا کلام سن لیتے تو ان کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا تھا۔ معاشرتی ظلم اور ستم عروج پر تھا۔ عورت کو معاشرتی حقوق حاصل نہ تھے۔ خودکشی اور ناانصافی کا بول بالا تھا۔ بچپن کی شادی عام تھی۔ بعض اوقات لڑکیوں کی شادیاں جانوروں سے کی جاتی تھی۔ عورت کو وراثت میں حصہ دینا مناسب نہ سمجھا جاتا تھا۔ الغرض معاشرہ جہالت، ناانصافی اور ظلم کا شکار تھا۔

سیاسی حالت:

اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی زندگی کی طرح سیاسی حالت بھی ابتر تھی۔ بادشاہت اور ملکیت کا دور دورہ تھا۔ عدالتوں میں ناانصافی عام تھی۔ راجہ اور بادشاہ خدا کے نائب مانے جاتے تھے ان کی پیروی اور حکم بجا

آوری میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاتی تھی۔ بادشاہ کے وزراء برہمن ذات سے تعلق رکھتے تھے اور بادشاہ کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے وزراء سے اہم معاملات میں مشورہ لے۔ ان کو خیرات دے۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے۔ ان کی عزت و تکریم میں فرق نہ آنے دے جب کہ سیاسی حوالے سے عوام الناس کو حقوق حاصل نہ تھے۔ ریاستی معاملات میں ان کو اہمیت تک نہ دی جاتی تھی۔ ان کو بھیڑ بکریاں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے حقوق پامال کرنا عام بات تھی۔ الغرض جب ہندو سماج میں ہر طرح فساد اور خرابیاں بڑھ گئیں۔ اور انسانیت کا وجود خطرے کا شکار ہونے لگا تو گوتم بدھ میدان عمل میں مسیحا بن کر آئے۔

(ج): گوتم بدھ کا تعارف

ولادت اور نام:

موجودہ بھارت اور نیپال کی سرحدوں پر واقع کپل وستو اپنے عظیم الشان اور تابناک ماضی کی بدولت تاریخ کی کتابوں میں آج بھی ستارہ بن کر جگمگا رہا ہے۔ ۵۶۳ قبل مسیح ہمالیہ کی گود میں واقع اس چھوٹی سی خوب صورت راج دھانی کے راجہ شدھودن اور ان کی پتنی مہامایا کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ جسے پروہوتیوں اور نجومیوں نے مستقبل کی تاریخ ساز شخصیت کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ راج کمار کی پیدائش کے کچھ دن بعد مہامایا دنیا کو ایک خوب صورت تحفہ دے کر خود اس سنسار سے رخصت ہو گئی لہذا راج کمار کو اس کی سگی خالہ پر جاپتی کے حوالے کر دیا گیا۔ پرجاپتی راجہ شدھودن کی دوسری بیوی تھی۔ مہامایا کی آخری خواہش کے مطابق راج کمار کا نام گوتم رکھ دیا گیا۔

ولادت کے بارے میں مختلف قصے:

ولادت سے پہلے گوتم کی والدہ نے خواب دیکھا تھا جس کو کرشن کمار نے اپنی تصنیف "گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک" میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

> "جنت سے وارد ہونے والے چار دیوتا اس کی سیج کو اٹھا کر ہمالیہ کی آسمان سے بوس و کنار کرتی ایک چوٹی پر لے گئے۔ ساٹھ یوجن وسیع طلائی میدان میں کھڑے ایک ساتھ یوجن لمبے، خوب صورت اور سایہ دار درخت کے نیچے رانی کی سیج رکھ کر چاروں دیوتا دور جا کر کھڑے ہوئے۔ مہارانی نے ایک تالاب میں غسل کر کے اپنے آپ کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کیا۔ اور سر تا پیر ایک غیر ارضی مگر آفاقی حسن کی روشنی میں ڈوب

گئی شال کے درخت کے نزدیک ہی پہاڑ کے اوپر موجود ایک سنہری محل میں سیج بچھادی گئی۔ مہامایا سیج پر براجمان ہوئی اور پھر سو گئی اتنے میں ایک ہاتھی اپنی سونڈ میں سفید کنول کا پھول لیے رانی کی طرف بھاگا۔۔۔رانی کے قریب آکر ہاتھی نے تین بار ماتھا جھکا کر سلام کیا اور پھر دائیں پہلو کو چیرتا ہوا اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔"[۲]

اس کے علاوہ گوتم کی شخصیت سے متعلق بہت سی حکایات بھی مشہور ہیں۔ جن میں گوتم کی پہلی پیدائش کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلا کبھی کبھی پرندہ بھی رہے۔ بدھ مت کی دینی روایات میں ہے کہ جب گوتم پیدا ہوئے تو آسمان مختلف نشانات سے روشن ہو گیا۔ اکثر باغوں میں بغیر موسم کے پھل پھول پیدا ہو گئے۔ دریاؤں کا کھارا پانی میٹھے پانی میں تبدیل ہو گیا۔ گوتم نے پیدائش کے فورا بعد چلنا شروع کر دیا۔ اس طرح کے واقعات کا تذکرہ ان کے حوالے سے ملتا ہے۔

چار نظارے:

راجہ شدھودن کو جب گوتم کے نصیب (مستقبل) کے حوالے سے پروہویتوں اور جوتشیوں نے بتایا تھا کہ اگر یہ لڑکا محل سے باہر نہ گیا۔ تو مستقبل میں ایک بہت بڑا اور بہترین بادشاہ بنے گا دوسری صورت میں اسے جنگلوں میں بھٹکنا پڑے گا اور ایک عظیم روحانی رہنما بنے گا۔ پروہویتوں اور جوشیوں کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور گوتم کو چار نظارے ہوئے۔

(الف): اسے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔ جس کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ کہ وہ خود بھی ضعیفی اور بے بسی کا شکار ہو سکتا ہے۔

(ب): ایک بیمار پر نظر پڑی تو محسوس کیا کہ وہ خود بھی بیماری کا شکار ہو سکتا ہے۔

(ج): ایک میت کو دیکھا اور محسوس کیا کہ ایک دن اس نے بھی اس سنسار کو تیاگ دینا ہے۔ کیوں کہ موت اٹل ہے۔ یعنی اس پر موت کی حقیقت آشکار ہوئی۔

(د): اس نے ایک سادھو کو دیکھا جس کا چہرہ دنیا کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے بے نیاز تھا۔ اور اس کے چہرے سے اطمینان اور مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں کیوں کہ اس فقیر نے حق کا راستہ اختیار کیا ہوا تھا لہذا اس کو دیکھ کر گوتم نے اسی وقت طے کر لیا کہ وہ بڑھاپے، بیماری اور موت سے اس فقیر کی پیروی کر کے رہائی پائے گا۔ نتیجتًا انتیس سال کی عمر میں اپنی بیوی اور نومولود بچے کو پلنگ پر سوتا چھوڑ کر جنگل کی اور نکل گیا۔

حصول نروان:

حصول نروان کے لیے گوتم نے سب سے پہلے ایک برہمو استاد کی شاگردی اختیار کی مگر جلد ہی اکتا گیا پھر ایک علاقے میں پانچ برہمن ملے گوتم ان کے ساتھ ہو لیا اور کھانا پینا ترک کر کے ریاضت میں مشغو ل ہو گیا جس کی وجہ سے جسم بہت لاغر ہو گیا اور چھاتی کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ کئی برس اسی حالت میں گزارے لیکن شانتی نصیب نہ ہوئی لہذا اس نتیجے پر پہنچا کہ نروان نہ ہی بھوکا رہنے سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی خود کو اذیت دینے سے چنانچہ انہوں نے بھوجن کھانا شروع کیا۔ ان کے ساتھی ان کو چھوڑ گئے۔ مگر گوتم گیا کے مقام پر درختوں کے جھنڈ میں ریاضت کے لیے بیٹھ گئے۔ کڑی تپسیا اور مسلسل ریاضت سے انہیں نروان حاصل ہوا۔ چناچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ نروان کی اس نعمت سے عوام الناس کو بھی فائدہ پہنچایا جائے اس مقصد کے لیے گوتم نے تبلیغ پر نکلنا ضروری سمجھا۔

(د): بدھ مت مذہب کی تعلیمات اور ان کے اثرات

بدھ تنظیم:

جب مہاتما بدھ تبلیغ کے لیے نکلے سب سے پہلے انھیں وہی پانچ سادھو ملے جو آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے ان سب نے جب گوتم بدھ کی تعلیمات سنی تو بہت متاثر ہوئے اور ان کے عقیدت مند بن گئے اس طرح بدھ تنظیم وجود میں آئی جس کو بدھ سنگ کہا جانے لگا پھر وقت گزرنے کے ساتھ جوق در جوق لوگ اس تنظیم کا حصہ بننے لگے۔ آغاز میں نئے آنے والوں کو بدھا خود سنگھ میں شامل کرتے تھے مگر جب تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو انہوں نے عقیدت مندوں کو اجازت دے دی کہ وہ بھی نئے آنے والوں کو سنگ میں شامل کرتے جائیں۔ ہندو مذہب ذات پات میں منقسم تھا۔ شروع میں صرف کھشتریوں نے اس کی طرف رجوع کیا لیکن بعد میں ہر ذات کے لوگوں نے اس کو اپنانا شروع کر دیا۔ آغاز میں صرف مردوں کو تنظیم کا حصہ بننے کی اجازت دی گئی مگر بعد میں خواتین کے پر زور اصرار پر انھیں بھی اجازت دے دی گئی اس کے بعد بدھ کے عز یز واقارب بھی تنظیم میں شامل ہو گئے انہی رشتہ داروں میں شامل بدھ کے قریبی رشتہ دار انند بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگی بدھ کے خادم کی حیثیت سے گزار دی۔

بدھ مت مذہب کی تعلیمات:

گوتم نروان حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ بن گئے انہوں نے اپنی تعلیمات کا پرچار ایک فلسفی اور مصلح اخلاق کی حیثیت سے کیا۔ ان کا سارا زور اخلاق اور عمل پر تھا۔ اہم مذہبی تعلیمات زبانی یاد کی جاتی تھیں کیوں کہ اس زمانے میں عام طور پر کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا۔ لہذا مذہبی تعلیمات کو زبانی یاد کرنا مقدس فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ بدھ کی تعلیمات کو تقریباً تین سو برس تک ضبط تحریر میں نہ لایا گیا۔ اس عرصے میں سوتر یعنی جامع الفاظ میں نظم کردہ تعلیمات کو سینہ بہ سینہ منتقل کیا گیا محمد حفیظ لکھتے ہیں کہ:

> "تقریباً تین سو برس کی مدت تک بدھ کی تعلیم کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرروت نہ سمجھی گئی۔ شہنشاہ اشوک کے زمانے میں اس کی حکمرانی کے اٹھارہویں سال میں ایک کانفرس (۲۵۲ ق م) ہوئی۔ اس نے پہلی بار ان معتقدات کو کتابی شکل دینا طے کیا۔ یہ کتابیں تری پٹک کے نام سے موسوم کی گئیں اور وہ اس وقت کی عام بہاری زبان پالی میں لکھی گئیں۔"(۳)

گوتم بدھ کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ زندگی تکلیف اور دکھ کا استعارہ ہے اور زندگی میں تکالیف خواہشات کی بدولت ہیں اگر انسان ان خواہشات پر قابو پالے تو زندگی سے دکھ کم ہوسکتے ہیں۔

گوتم بدھ کی تعلیمات بدھ مت میں چار مقدس حقائق کے نام سے مشہور ہیں۔

پہلی عظیم حقیت:

دکھ کا وجود ہے۔ زندگی دکھوں اور تکلیفوں کا مجموعہ ہے۔ انسان کی پیدائش، جوانی، بڑھاپا، بیماری اور موت سب دکھوں کی صورتیں ہیں۔ بھوک، غربت، حرص، نفرت، اور لڑائی جھگڑے سب دکھوں کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ رنج و غم ایک کائناتی سچائی ہے اور ہر ذی روح کو چھوٹے بڑے دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق دکھ کی تین اقسام ہیں۔

اول: دکھ جسے ہر فرد محسوس کر سکتا ہے۔

دوم: وہ دکھ جو علت معلول کی بدولت محسوس کیا جاتا ہے۔

سوم: ایسا دکھ جو تغیر پذیر زندگی کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔

بدھا کی تعلیمات کے مطابق انسان تین بڑی بیماریوں یعنی جہالت، خود غرضی اور دوسروں کے لئے نیک ارادوں کے فقدان کی وجہ سے دکھی ہیں اور عام آدمی کی زندگی آغاز تا اختتام غیر اطمینان بخش اور بے حقیقت و بے اصلی ہے۔ بدھا نے کہا کہ

"بکھشوؤ! یہی دکھ ہے۔ یہ اولین سچائی ہے۔ پیدائش بھی دکھ، بیماری بھی دکھ اور موت بھی دکھ۔"(۴)

دوسری عظیم سچائی:

گوتم بدھ کے مطابق ہر دکھ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی وجہ یا بنیاد ہوتی ہے یہ بنیاد انسان کی خواہشات اور آرزوئیں ہیں جو کہ انسان کو دنیا میں دوبارہ جنم لینے پر مجبور کرتی ہیں اور پھر تمام عمر انسان کو مختلف صورتوں میں اپنی تسکین کے سامان ڈھونڈے میں مصروف رکھتی ہیں یہاں تک کہ انسان جس طرح خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا ہے اسی طرح غیر مطمئن رخصت ہو جاتا ہے۔ ادھوری خواہشات کا جال اسے دوبارہ کسی اور جنم میں جکڑ کر پھر اس فانی دنیا میں لا پھینکتا ہے اس طرح جنم چکر ازل تا ابد جاری رہتا ہے نہ کسی کو فرد کے اولین جنم کی کہانی کا علم ہے اور نہ ہی مرن کے چکر کی انتہا عقل میں سماتی ہے۔ بدھا کے مطابق اس جنم چکر کے پس منظر میں خواہش کی کار فرمائی ہے۔

بدھ نے کہا کہ

"بکھشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی اور کوئی چیز نہیں جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک کے بعد دوسرے جنم میں طویل عرصہ سے چکر کاٹ رہی ہیں۔ یقین جانو بکھشوؤ! ایسی خواہش کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مخلوقات وجودوں کی طلسمی نگری میں منڈلاتی رہتی ہیں۔"(۵)

تیسری عظیم سچائی:

مہاتما گوتم کے نزدیک کائنات کی حقیت دکھ ہے۔ اور اس کی بنیادی علت خواہشات اور تمنائیں ہیں۔ اور ان تمناؤں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

چوتھی عظیم سچائی:

چوتھی عظیم سچائی وہ راستہ ہے کہ جس پر چل کر دکھوں کے سلسلے سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ پہلی تین عظیم تعلیمات بدھ مت کے نظریاتی اصولوں سے متعلق ہیں جبکہ چوتھی سچائی وہ عملی طریقے سامنے لاتی ہے جن پر چلنے سے دکھ دور ہوتے ہیں اور نجات کی منزل قریب آجاتی ہے یہ راستہ آٹھ عملی اصولوں پر مشتمل ہے اور اشٹانگ مارگ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

> "چوتھا عظیم سچ یا سچائی وہ ہشت پہلو راستہ ہے جس پر چل کر ہی دکھوں کے سلسلے کو ختم ہونا ہے۔ یہ راستہ انسان کو بار بار کے جنم مرن سے نجات دلاتا ہے۔ پہلے تین طریقوں کا تعلق نظریات سے ہے چوتھے طریقے کو عملی طریقہ بھی کہا جاسکتا ہے۔"(۲)

یہ آٹھ عملی اصول درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱: صحیح نقطہ نظر:

بدھ مت کے مطابق چیزوں کو اسی طرح سے دیکھنا جس طرح سے کہ وہ ہیں یعنی بنیادی اور عظیم سچائیوں پر عمل کرنا اور جن امور سے بدھ مت میں منع کیا گیا ان کو ترک کئے بغیر نجات کے راستے پر پہلا قدم بھی نہیں رکھا جاسکتا۔

نمبر ۲۔ مناسب ارادہ:

بدھ مت میں اس سے مراد ہے کہ انسان کو اپنے اندر ایسے خیالات اور جذبات پیدا کرنے چاہیے جو کہ تمام اخلاقی برائیوں مثلاً غصہ، نفرت، خود غرضی، انا پرستی، ظلم و زیادتی، لذت پرستی اور تشدد کی نفی کرتے ہوں۔ جو شخص مناسب ارادہ کے رستے پر چلتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام مخلوق کے لیے ہمدردی، ایثار اور محبت کا رویہ اپنائے۔

نمبر ۳۔ مناسب گفتگو:

بدھ مت میں اس سے مراد ہر ایسے لفظ یا فقرے کو زبان سے ادا کرنے سے پرہیز کرنا جو شر اور برائی کا سبب ہو۔ فضول گوئی، جھوٹ، غیبت تلخ نوائی، اور چغل خوری مناسب گفتگو کے دائرے سے خارج ہیں۔ یہ اصول راست گوئی، متوازن، مدلل گفتگو اور نرم لہجے کی تلقین کرتا ہے۔

نمبر۴: مناسب اعمال:

اس اصول میں ان تمام اعمال پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ جن کی تعلیم بدھ مت نے دی ہے ہر جان دار سے ہمدردی، فیاضی، اور خدمت خلق وغیرہ اسی اصول میں شامل ہیں۔

نمبر۵: مناسب رزق:

بدھ مت میں مناسب رزق کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی محنت اور حلال طریقے سے کمائی ہوئی آمدنی کا استعمال کرنا اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانے سے پرہیز کرنا، بے ایمانی، فریب، ظلم وزیادتی اور بد دیانتی سے کام نہ لینا اس اصول کے مطابق ایسا ذریعہ اپنانے سے منع کیا گیا ہے جس سے کسی جان دار کو تکلیف پہنچے اس میں پانچ اخلاقی اصول:

۱: کسی جان دار کو نہ مارنا۔

۲: چوری سے پرہیز

۳: جنسی بے راہ روی سے بچنا

۴: جھوٹ نہ بولنا۔

۵: نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کرنا۔

یعنی "پنچ شیل" پر عمل بھی داخل ہے۔ جس کا عہد بدھ مت کے ہر پیرو کو کرنا ہوتا ہے۔

نمبر:۶ صحیح کوشش:

اس سے مراد ایسی قوت جو پسندیدہ خیالات وجذبات کو پیدا کرنے کے لیے بدھی پیرو کو درکار ہوتی ہے اس کی مدد سے ناپسندیدہ جذبات وخیالات کو ابھرنے سے روکا جاسکتا ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق ہمدردی، بے غرضی، محبت، شفقت اور حق گوئی وغیرہ اعلیٰ خیالات وتصورات میں شامل ہیں لہذا بدھی پیروکاروں کو چاہیے کہ وہ ان اوصاف کو اپنی ذات میں پیدا کریں اور ان کے برعکس خصائص کو ختم کریں اس عمل میں جو سعی کرتی پڑتی ہے اسے صحیح کوشش یا مناسب محنت کا نام دیا جاتا ہے۔

نمبر۷: مناسب حافظہ :

اس اصول سے مراد مناسب اور اچھی باتوں کو یاد رکھنا اور نامناسب خیالات وتصورات کو ذہن سے نکال باہر پھینکنا ہے۔

نمبر۸: صحیح مراقبہ:

یہ بدھ مت کی اہم عبادت ہے کیوں کہ گوتم بدھ کو نروان اسی حالت میں ہی حاصل ہوا تھا لہذا ان کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح مراقبہ کا اصول اپنائیں کیوں کہ اس کے بغیر نروان تک پہنچنا ممکن نہیں اس کے علاوہ گوتم بدھ نے معاشرے کے بنیادی طبقات اور تعلق داریوں کے حوالے سے حقوق وفرائض کی تعلیم بھی دی۔

"یہ وہ حالت ہے جس میں انسان نروان کی منزل سے ہم کنار ہوتا ہے۔ کیوں کہ گوتم بدھ نے بھی نروان مراقبہ کی حالت میں ہی حاصل کیا تھا لہذا اس کے پیروکار مراقبہ پر بہت زور دیتے ہیں۔ یہ بدھ مت کی اہم ترین عبادت ہے۔ سمادھی یا مراقبہ سے مراد تمام ذہنی قوتوں کو یکجا اور مرکوز کرنا ہے۔ جب انسانی قوت فکر ایک موضوع پر مرتکز ہوتی ہے تو اس کی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ مراقبہ میں جتنا خیال وفکر ایک جگہ مرکوز ہو گا اتنا ہی استقلال وعزم پیدا ہو گا اس طرح بصیرت کی آنکھ سربستہ اسرار وحقائق سے آشنا ہو جاتی ہے۔"(۷)

ممنوعہ کاروبار:

بدھ کی تعلیمات کے مطابق درج ذیل کاروبار ممنوعہ ہیں۔

۱: غلاموں کی خرید وفروخت۔

۲: فروخت اسلحہ۔

۳: گوشت کی خرید وفروخت۔

۴: شراب کشید کرنا اور اس کی خرید وفروخت۔

۵: زہر بیچنا

"بدھ کے مطابق ہتھیاروں، جانوروں، گوشت اور شراب وغیرہ کا کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔ دھوکہ دہی اور برے ذرائع، مثلاً رشوت، بدعنوانی اور ڈاکہ زنی سے کمائی ہوئی دولت سے ہر گز فائدہ نہیں ہوتا۔"(۸)

بدھی اخلاقیات نے غلاموں کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی ہے نیز غلاموں، عورتوں اور ملازمین کے بنیادی حقوق ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ دیکھا جائے تو بدھی اخلاقیات کے ضوابط میں موجودہ صدی کے معاشرتی شعور کا رنگ جھلکتا ہے۔ گوتم بدھ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے پیروکاروں کو دو بڑی جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا جس میں سے اول دنیادار اور دوم راہبوں کا گروہ تھا لہذا ان دونوں جماعتوں کے لیے گوتم بدھ نے الگ الگ تعلیمات دیں۔

راہب یا بھکشو:

اس گروہ کے لیے کچھ شرائط رکھی گئیں۔ مثلاً

۱۔ اچھی صحت کا مالک ہونا یعنی کسی متعدی مرض میں مبتلا نہ ہونا۔

۲۔ کسی کا غلام یا قرض دار نہ ہونا۔

۳۔ والدین کی رضامندی۔

۴۔ سر منڈوانا۔

۵۔ تاریخی لباس کا استعمال کرنا۔

۶۔ بھیک مانگ کر زندگی گزارنا۔

بھیک مانگنے کے اصول و ضوابط:

۱۔ کسی سے زبردستی بھیک نہ مانگنا۔

۲۔ جو دے اسکا بھی بھلا جو نہ دے اسکا بھی بھلا چاہنا۔

۳۔ لوگوں کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جانا اگر کوئی دے تو لے لینا نہ دے تو آگے بڑھ جانا۔

۴۔ کھانے کو ذخیرہ نہ کرنا۔

۵۔ کھانے کی مقدار اتنی لینا جو زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔

بھکشو کے لیے ضروری ہے کہ وہ

۱۔ صبح صادق کو اٹھ کر خانقاہ میں جھاڑو دے۔

۲۔ طہارت قلب کے لیے ذکر میں مصروف ہو جائے۔

۳۔ عیش و آرام سے دور رہے۔

۴۔ سہولت پسند نہ بنے۔

۵۔ علم حاصل کرے۔

۶۔ علم کو پھیلائے۔

۷۔ نروان پانے کے لیے تپسیا کرے۔

"درویش صبح صادق سے قبل اٹھتے: خانقاہ کو صاف کرتے اور پھر ذکر الٰہی سے قلب کو پاک کرتے۔ تھوڑی دیر بعد جھولی اٹھا کر اپنے سر کردہ کے ہمراہ بھیک مانگنے کے لیے چلے جاتے واپس آکر اس کے سامنے جھولی رکھ کر لکھنا پڑھنا ہوتا اپنے استاد سے معرفت اور گیان کی باتیں سیکھتے غروب آفتاب سے پہلے دوبارہ خانقاہ کی صفائی ہوتی اور چراغ روشن کرتے بعد ازاں اپنے سر کردہ کی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے۔۔۔ گھر گھر علم پھیلاتے اور انسان کو قلبی طہارت کی تلقین کرتے۔"(۹)

دنیادار: ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ

۱۔ بکھشوؤں کے برعکس دنیاداری کے کاموں کو احسن طریقے سے کریں۔

۲۔ حلال روزی کمائیں۔

۳۔ بکھشوؤ کو بکھشا دیں اور ان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

یہ لوگ جب چاہیں بکھشوؤں میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں۔

اثراتِ تعلیمات:

بدھ مذہب کی اشاعت میں اضافہ اشوک بادشاہ کی کوشش سے ہوا۔ اسی کی وجہ سے بدھ مت کو بین الاقوامی مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی۔

"اشوک بادشاہ تیسری صدی قبل مسیح میں ہندوستان ہر تخت نشین خاندان موریہ کا بادشاہ تھا۔۔۔ اس مذہب کی اشاعت کے لیے اشوک بادشاہ نے ہر ممکن اقدامات کئے۔ ملک کے طول و عرض میں مذہبی مبلغ سری لنکا، برما، جاپان، کشمیر، چین، نیپال، مصر، شام، اور یونان وغیرہ میں بھیجے۔ لوگوں کو گوتم بدھ سے متاثر کرنے اور ان کی تعلیمات عام کرنے کے لیے اشوک نے کئی ستون اور کتبے بھی لگوائے جن میں گوتم بدھ کی تعلیمات درج کی گئیں۔"(۱۰)

عیسوی صدی کی ابتدا میں یہ مذہب ہندوستان میں بہت مقبول ہو گیا۔ مبلغین کی کاوشوں سے افغاستان اور ایران میں پھیلنے لگا۔ اس کے بعد چین، کوریا اور جاپان میں اس مذہب نے خوب ترقی کی بدھ مت پانچ سو سال تک مسلسل پھیلتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ ہندوستان کے راستے افغانستان، چین، برما، سیام، اور مشرقی جزائر میں مقبول ہو گیا۔ صاحبزادہ مسعود الحسن صابری اپنی کتاب "قدیم دنیا کی تاریخ و تہذیب" میں لکھتے ہیں کہ

"بدھ مت جلدی ہندوستان اور دور دراز ملکوں میں پھیل گیا اس کے اسباب کئی ہیں:

۱۔ بدھ مت کا بانی مہاتما بدھ نیک، پاک اور با عمل تھا اس لیے اس کی شخصیت میں خاص کشش تھی۔

۲۔ بدھ مت کے اصول بڑے سادہ اور آسان تھے اور عام لوگ انہیں آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔

۳۔ بدھ مت کی اشاعت روز مرہ کی بولی جانے والی پالی زبان میں کی گئی۔

۴۔ بدھ مذہب میں ذات پات کی کوئی تمیز نہ تھی۔

۵۔ عوام برہمنوں کی خونی قربانیوں اور پیچیدہ فلسفے سے تنگ آ چکے تھے اس لیے ان کے نزدیک بدھ مت زیادہ قابل قبول تھا۔

۶۔ بدھ نے بھکشوؤں کا جو سلسلہ (سنگھ) قائم کیا تھا اس نے بدھ دھرم کو پھیلانے میں زبردست امداد دی۔" (۱۱)

ایشیا کے ایک بڑے حصے پر قابض ہونے کے بعد اس کی ترقی رک گی۔ آخر نویں صدی عیسوی تک ہندوستان میں برہمنوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ناپید ہو گیا۔ وسطی ایشیاء میں پانچویں صدی عیسوی میں بدھ مت کا زوال شروع ہو گیا۔

اسلام کی سادہ تعلیمات نے بدھی پیروکے دلوں میں گھر کر لیا کہ مسلم تصوف میں مراقبے کا تصور بدھ مت کی نسبت زیادہ واضع تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں بدھ مت کے زوال کا سبب، اسلام، ہندو مت کا احیاء، اندرونی فرقہ بندی اور تصور خدا کی کمی بنی۔

موجودہ حالات:

بدھ مت اس وقت ایشیاء کے بہت سے ممالک میں اکثریت کا مذہب ہے۔ اس وقت جاپان، منگولیا، تھائی لینڈ، کوریا، برما، تبت، نیپال، سری لنکا، بھارت، میں اس مذہب کے ماننے والوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔

(ہ): گوتم بدھ اور اردو ادب (نثر، نظم)

اردو زبان پر مشتمل ادب اردو ادب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو کہ نثر اور نظم پر مشتمل ہے۔ نثری اصناف میں داستان، ناول، افسانے، انشائیہ، مکتوب نگاری، سفر نامے وغیرہ شامل ہیں جبکہ شاعری میں غزل، نظم، مرثیہ، مثنوی، قصیدہ وغیرہ شامل ہیں۔ دونوں اصناف یعنی نثر اور شاعری اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے دونوں اصناف کا دائرہ کار بہت وسیع ہے کہ معاشرتی، سماجی، مذہبی، سیاسی غرض زندگی کے تمام شعبوں سے موضوعات لیے گئے ہیں۔ جہاں تک گوتم بدھ اور ان کی تعلیمات کی بات ہے تو بدھ مت کی بنیاد اخلاقیات پر رکھی گئی تھی لہذا یہی اخلاقی تعلیمات اور گوتم بدھ کا بھکشو کی سی زندگی گزارنے کا ڈھنگ اردو ادب کی دونوں اصناف میں مختلف انداز اور حوالوں سے پرویا گیا۔

اردو نثر کی اہم اصناف مثلاً ناول، افسانے اور سفر ناموں میں گوتم بدھ کی تعلیمات، کرداری خصوصیات، بدھ مت کے مقدس مقامات، گوتم کے آبائی علاقے کپل وستو اور مجسموں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس حوالے سے سب سے اہم ناول سدھارتھ ہے جو کہ ہرمن ہیسے کا شاہکار ہے۔ جس کا اردو ترجمہ آصف فرخی نے کیا اس ناول کا مرکزی موضوع گوتم بدھ کے عہد کے ایک نوجوان کی کہانی ہے۔ جو کہ ذات کے روحانی انکشاف کا متلاشی ہے یہ کردار گوتم بدھ کی تعلیمات سے متاثر ہے مگر ان کو اپناتا نہیں۔ اسی طرح ڈھشما جو کہ نیئر مصطفیٰ کا ناول ہے اس میں گوتم بدھ اور نروان کا تذکرہ موجود ہے۔ مصنف نے ماضی کے بدھسٹ گوتم، فاشسٹ ہٹلر، مارکسٹ گراچی، فیمی نسٹ سیمان دی بووئیر وغیرہ کا تقابل موجودہ دور کی طاقتوں ٹرمپ اور مودی سے کیا ہے۔ آگ کا دریا قرۃ العین کا ناول ہے۔ جس کی کہانی ڈھائی ہزار برس قبل شروع ہو کر بیسویں صدی کے نصف پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اسے چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ان چاروں ادوار کا چار کرداروں گوتم، چمپا، کمال اور سائرل کے ذریعے سے احاطہ کیا گیا ہے۔ پہلے دور میں گوتم بدھ کے عہد کی تہذیب اور معاشرتی طرزِ فکر کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ناول کی طرح اردو افسانے میں بھی گوتم بدھ کی تعلیمات اور کرداری خصوصیات کو مختلف حوالوں سے برتا گیا ہے۔ جن اہم افسانہ نگاروں نے اس حوالے سے افسانے تحریر کئے ان میں انتظار حسین، ابن کنول، عطار الرحمن خاکی، دیوندر ستیار تھی، بلراج میں راء، حجاب امتیاز، مشتاق مومن، وسیم حیدر ہاشمی، شہناز رحمٰن، ابرار مجیب، شوکت حیات، شموئل احمد وغیرہ اہم ہیں۔

اردو نثر کی طرح اردو شاعری کا دامن بھی گوتم بدھ کی تعلیمات اور کرداری خوبیوں سے مزین ہے۔ اس حوالے سے شعرا کی کثیر تعداد موجود ہے جنھوں نے اپنی نظموں اور غزلوں میں گوتم کی تعلیمات مثلاً انسان دوستی اور اخلاقیات کا درس دیا۔ ان میں میر تقی میر، مرزا غالب، اسماعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، منظور عارف، خلیل الرحمٰن اعظمٰی، احمد فراز، فہمیدہ ریاض وغیرہ اہم ہیں۔

بطور نمونہ علامہ اقبال کی نظم 'نانک' سے چند اشعار

"قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ! بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہو وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ! شودر کے لئے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سر شار ہے اب تک مے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں"(۱۲)

بدھ مت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ جس کی بنیاد عیسوی صدی سے کئی سال قبل اس لئے رکھی گئی کہ ہندو مت کی ظالمانہ رسومات کو ختم کیا جاسکے اور سماج کے اندر انصاف پر مبنی شفاف ترین

تعلیمات کا بول بالا کیا جا سکے۔ انہی خصوصیات کے پیش نظر اس مذہب کے بانی اور تعلیمات کو دنیا بھر کے مصنفین اور شعراء اپنے فن پاروں میں جگہ دیئے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سید آل احمد رضوی، مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام، ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، بار اول، ۱۹۹۱ء، ص ۵۵

۲۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، آصف جاوید نگارشات پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۱۰۔۱۱

۳۔ محمد حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ زندگی اور افکار، آزاد انٹر پرائزر، ۱۹۴۲، ص ۵۴

۴۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، آصف جاوید نگارشات پبلیشرز، ص ۲۴۴

۵۔ ایضاً، ص ۲۴۵

۶۔ محمد اکرام رانا، ڈاکٹر، بین الاقوامی مذاہب، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۴۷

۷۔ ایضاً، ص ۶۷

۸۔ یاسر جواد، امولیہ رنجن مہاپتر فلسفہ مذہب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۸۶

۹۔ عاطف محتشم خان، تصوف تاریخ کی روشنی میں، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۷۰۔۶۹

۱۰۔ ابو احمد، مولانا محمد انس، اسلام اور عصرِ حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، مکتبہ اشاعتہ الاسلام، لاہور، ۱۱ نومبر ۲۰۱۷، ص ۴۰۷

۱۱۔ صاحبزادہ مسعود الحسن خان صابری، قدیم دنیا کی تاریخ و تہذیب، ناشر: زاہد محی الدین بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۱

۱۲۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، کتب خانہ حمیدیہ گڑھیا اسٹریٹ، دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸۳۔۱۸۴

باب دوم:

گوتم بدھ سے اثر پذیر کرداروں کا مطالعہ

افسانوی ادب میں کرداروں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ افسانے میں آنے والے اشخاصِ قصہ جو کہ کہانی کو انجام کی جانب لے جاتے ہیں کردار کہلاتے ہیں۔ افسانہ انسانی حیات سے متعلق ایک مختصر کہانی ہوتا ہے، اسی لئے اس میں پیش کردہ کردار انسانی زندگی کے خصائص اور انسانی اخلاق وعادات کے مالک ہوتے ہیں اور کہانی میں ان کا عمل وردِ عمل، گفتگو کا طرز، نشست وبرخاست وغیرہ انسانی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ افسانوں میں پیش کردہ کردار آس پاس کے ماحول یا کسی نہ کسی تاریخی شخصیت سے متاثر ہو کر تخلیق کئے جاتے ہیں گوتم بدھ کی تاریخی شخصیت اس حوالے سے نمایاں ہے کہ افسانہ نگاروں نے ان کے نام اور کرداری خصوصیات سے متاثر ہو کر کردار تخلیق کئے۔

(الف): نام کی بنیاد پر کرداروں کا مطالعہ

کائنات کی ہر چیز کی الگ اہمیت اور پہچان ہے اور یہ پہچان اس میں موجود خصوصیات اور نام پر منحصر ہوتی ہے لہذا نام کا بنیادی مقصد انسان کی پہچان ہے۔ گوتم بدھ تاریخ کے اوراق میں مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں مثلاً بدھ، بدھا، گوتم، سدھارتھ، مہاتما وغیرہ، تخلیق کاروں نے ان کے انہی ناموں کا استعمال کر کے اپنے افسانوں میں کردار پیش کئے ہیں اس ضمن میں میاں کی جوتی، اور پل ٹوٹ گیا، ادھورا گیان، خدا کا بھیجا ہوا پرندہ اور گٹاری کے انڈے اہم افسانے ہیں۔

ا۔ گوتم

مہاتما بدھ کو گوتم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مگر ان کا سب سے پہلا نام سدھارتھ تھا یا گوتم، اس حوالے سے سید محمد حفیظ اپنی تصنیف گوتم بدھ زندگی اور افکار میں لکھتے ہیں کہ

> "اس امر میں روایات میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا سب سے پہلا نام سدھارتھ ہے یا گوتم۔ لیکن موجودہ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ سدھارتھ کے متعلق شک کی گنجائش ہے اور گوتم کے متعلق اس کے ثبوت موجود ہیں کہ وہ ابتداء عمر تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ سدھارتھ البتہ خطاب معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح بعد میں ان کے ماننے والوں

نے انہیں اور بہت سے خطاب دیئے مثلاً ساکھیہ منی، ساکھیہ سنہا۔۔۔ دھم راج وغیرہ۔ اس لئے اس جلیل القدر ہستی کو گوتم ہی کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔"(۱)

افسانہ نگاروں نے ان کے اسی نام کو افسانوں میں پرویا ہے اس حوالے سے وسیم حیدر ہاشمی کا افسانہ "میاں کی جوتی" اہم ہے جس میں گوتم نامی مرکزی کردار پیش کیا گیا ہے وسیم حیدر ہاشمی معاشرے کے بنیادی اور حساس مسائل کو اپنی کہانیوں کا موضوع بناتے رہے ہیں۔ یہ افسانہ ان کے افسانوی مجموعے مریخ کا سفر میں شامل ہے۔ اس کہانی کے علاوہ اس مجموعے میں انیس کہانیاں ہیں۔ یہ مجموعہ دسمبر ۲۰۱۰ء میں اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ سے شائع ہوا۔ وسیم حیدر نے تخلیقی سفر کسی مخصوص ازم یا فیشن کی پیروی میں شروع نہیں کیا تھا بلکہ اپنے اندر چھپی ہوئی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے احساسات کو کاغذ پر اتارا ہے۔ ان کے افسانے عام قاری کی فہم کے مطابق ہیں۔ کہانیوں کے موضوعات اور پلاٹ سادہ ہیں۔ ان کی تحریریں وضاحت اور توضیحی نوعیت کی ہیں۔ میاں کی جوتی اسی نوعیت کا افسانہ ہے۔ اس میں انسانی بغض پروری، کینہ و حسد اور تعصب پسندی جیسی برائیوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ یہ افسانہ گوتم بدھ کے نام کے استعمال کی وجہ سے منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس افسانے کا شمار ایسے افسانوں میں ہوتا ہے جن میں گوتم کے کردار کو من و عن پیش نہیں کیا گیا بلکہ مصنف نے صرف گوتم کے نام پر اکتفا کیا ہے۔

افسانہ نگار نے اس افسانے میں دو ایسے کردار پیش کیے ہیں جو دہری شخصیت کے مالک ہیں، ایک کا نام گوتم ہے مگر اس میں گوتم بدھ والی خصوصیات موجود نہیں اس کردار کے حلیے اور رویے کو مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"پرکشش چہرہ، سانولا رنگ، لابنا قد اور جامہ زیب جسم لیکن عادات واطوار کے لحاظ سے حد درجہ بدتمیز۔ کسی کام سے مطلب نہ واسطہ۔ اس کی نظروں میں نہ کوئی بڑا تھا نہ چھوٹا، نہ جونیئر نہ سینئر۔"(۲)

مصنف نے ایک ایسے شخص کو سامنے لایا ہے جو نہ صرف نااہل ہے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی گرا ہوا ہے۔ ہر کسی سے بدزبانی اور بدتمیزی کرنا اسے پسند تھا۔ کسی بھی کام سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کی نظر میں کسی جونیئر یا سینئر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ دفتر میں اس کی ہر جائز و ناجائز حرکت کو برداشت کیا جاتا تھا۔ ہر کوئی اس سے بدظن اور نالاں رہتا تھا۔ صدر شعبہ کا قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے دفتر کا کوئی بھی آدمی اس کے خلاف بات کرنے سے قاصر تھا۔

دراصل افسانہ نگار نے اس کہانی میں گوتم کے پس پردہ آج کے معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ دیکھا جائے تو چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے دفتروں میں گوتم جیسے کردار موجود ہیں۔ جو کہ اقربا پروری کی بدولت اہل نہ ہونے کے باوجود اعلیٰ عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان نااہل کرداروں کی وجہ سے ہمارا نظام ترقی کرنے سے قاصر ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی ایک وجہ یہ لوگ بھی ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ اقربا پروری کی بنیاد پر ایسے لوگ بھرتی ہونے کے بعد نہ صرف اہل لوگوں کا حق چھینتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے دردِ سر ثابت ہوتے ہیں۔ ہر سینئر جونئیر ان کی ہٹ دھرمیوں اور نااہلیوں کی بدولت تکلیف اٹھاتا ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف اپنے اداروں بلکہ معاشرے کے لیے بھی بوجھ ثابت ہوتے ہیں۔

افسانے میں گوتم کے کردار کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جس کی بدولت قاری مرکزی کردار کی نفسیات سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے۔ مصنف نے مرکزی کردار گوتم کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی آسان اور منفرد انداز میں کی ہے۔ یہ کردار بد تمیز ہونے کے باوجود آغاز تا اختتام اپنی خوش قسمتی کی بدولت کامیاب دکھایا گیا ہے۔ دفتر میں سبھی اس پر حملہ آور ہونے کی طاق میں رہتے مگر جب بھی موقع ملتا حملہ آور ہونے کا تو صدر شعبہ اس کی ڈھال بن جاتا اور حملہ آور کو شرمندگی، ذلت اور تنقید کے سوا کچھ نہ ملتا۔ بار بار ناکامی اور ذلت برداشت کرنے کے بعد بیشتر لوگ اپنا غصہ دل میں بد دعائیں دے کر نکالتے مگر ان کی بد دعائیں بھی گوتم کا کچھ نہ بگاڑ پاتیں۔ سبھی کے دل اس کردار سے بد ظن تھے۔ ہر ایک موقع کی تلاش میں تھا۔ اسی اثنا میں ہیڈ آفس سے ایک جونئیر افسر مس نندا دیوی کا تبادلہ اس آفس میں ہوتا ہے۔ لیڈی جونئیر افسر کا تبادلہ کہانی کا نقطہ عروج ہے جو کہ کہانی کو ایک نیا موڑ دیتا ہے۔ جس سے کہانی میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

انسانی فطرت تغیر کا تقاضا کرتی ہے مردانہ دفتر میں مِس نندا دیوی کا تبادلہ اسی تغیر کا نتیجہ ہے۔ جس کے باعث سبھی کے دلوں میں گدگدی اور عجیب طرح کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اپنے مخصوص نظریات اور خواہش کے مطابق مس نندا دیوی کا کردار تخلیق کیا ہے۔ اس کردار کی بدولت مصنف کہانی کو اختتام کی جانب لے کر جاتا ہے۔ اس کردار کی آمد سے افسانے کی ناگوار فضا یکسر بدل گئی جس سے دفتر کے سبھی لوگوں کے چہرے کھل اٹھے۔ افسانہ نگار کے یہ الفاظ کہ

> "تبادلے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی ترقی کے ساتھ تو کبھی بطور سزا مگر متبادل کے نام کے ساتھ جڑے لفظ "مس" نے سبھی دلوں میں گدگدی اور ایک عجیب طرح کا اشتیاق پیدا کر دیا تھا۔"(۳)

انسانی نفسیات کو واضح کرتے ہیں۔ سب نے محسوس کیا کہ مس نندا سخت قسم کی گھمنڈی خاتون ہے۔ بے تکلف ہونا اسے پسند نہیں اس نے نام نہاد ظاہری بدمزاجی اختیار کر رکھی ہے۔ دفتر کے کچھ لوگوں نے نام نہاد بدمزاج مس نندا دیوی کے ذریعے گوتم کو رسوا کروانے کی کوشش کی اس مقصد کے لیے گوتم کی طرف سے ایک محبت نامہ ٹائپ کیا گیا اور اسے مس نندا دیوی کی غیر موجودگی میں میز پر رکھا گیا، یہاں مصنف نے نام نہاد بدمزاج عورتوں کی دہری نفسیات یا دہرے پن کو سامنے لایا ہے۔ مس نندا ایک جانب دفتر کے کسی بھی فرد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی اور گھمنڈ دکھلاتی پھرتی ہے جبکہ دوسری طرف محبت نامہ دیکھ کر گوتم کے ساتھ اس کے اسکوٹر پر سوار ہو جاتی ہے۔

کہانی کا اختتام سب کی توقع کے برعکس ہوتا ہے جو کہ مصنف کی فنکارانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ گوتم گزیدہ لوگوں نے محبت نامہ ٹائپ کرنے کے بعد گوتم کے جس انجام کی توقع کر رکھی تھی مصنف نے اس کے برعکس انجام قاری کی نظر کیا ہے نیز گوتم اور نندا دیوی کا کردار پیش کر کے قاری کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کہانی کے یہ کردار حقیقی انسان ہیں کہانی میں اس تاثر کی تخلیق مشکل کام ہے مگر وسیم حیدر ہاشمی نے بڑی ہی چابکدستی سے اس فعل کو سرانجام دیا ہے۔

اس کے علاوہ اردو ادب میں ایسے افسانے بھی موجود ہیں جن میں گوتم نام کا استعمال کیا گیا ہے اس حوالے سے اہم افسانہ " اور پل ٹوٹ گیا " ہے جو کہ اے حمید کی تخلیق ہے۔ان کا شمار ترقی پسند ادیبوں میں ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت ناول نگار، خاکہ نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار رہے۔ انھوں نے بچوں کے ادب پر بھی کام کیا۔ زیر نظر افسانہ ان کے افسانوی مجموعے خزاں کا گیت میں شامل ہے جو کہ جولائی ۱۹۵۱ میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں کل نو افسانے ہیں۔ اس افسانے کی بنیاد محبت پر استوار ہے۔ مصنف نے اس کہانی کو رومان انگیز انداز میں بیان کیا ہے جس سے واقعات اور کردار دل چسپ ہو گئے ہیں۔ مصنف نے ایک ایسی لڑکی کو مرکزی کردار بنا کر پیش کیا ہے جو بیک وقت دو مردوں سے محبت کرتی ہے جو کہ اتفاق سے دوست ہیں ان میں سے ایک دوست کام کے سلسلے سے ملک سے باہر چلا جاتا ہے اور پانچ سال بعد لوٹ کر آتا ہے۔ جبکہ لڑکی دوسرے سے شادی کر لیتی ہے مگر شادی کے کچھ عرصے بعد اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ مرنے سے قبل وہ اپنے شوہر سے وعدہ لیتی ہے کہ اس کی موت کی خبر وہ اپنے باہر سے آنے والے دوست کو نہیں دے گا۔

اس افسانے کا شمار ایسے افسانوں میں ہوتا ہے جن میں گوتم بدھ سے اثر پذیر کردار پیش کئے گئے ہیں۔ اس کہانی کے مرکزی کردار کا نام گوتما ہے جو کہ تاریخی کردار گوتم بدھ کے نام سے اخذ شدہ

ہے۔راوی جو کہ ڈاکٹر ہے گوتما سے محبت کرتا ہے اور اس کے خیالوں میں کھو کر خود کلامی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"گوتما۔۔۔تم گوتما نہیں گوتم بدھ ہو، مونالیزا ہو، دیوی سائکی ہو، بہار کا اولین پھول ہو، شام کا پہلا ستارہ ہو اور پیرس کی ایک شام۔۔۔"(۴)

گوتم بدھ تاریخ کے اوراق میں مختلف حوالوں مثلاً امن، دکھوں سے نجات، نروان، شانتی، تیاگ اور انسان دوستی وغیرہ سے جانے جاتے ہیں اس کہانی میں راوی نے اپنے محبوب گوتما کو انہی حوالوں کے پیش نظر گوتم بدھ کہا ہے۔راوی کو اپنا محبوب امن و شانتی کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔اس کے سارے دکھوں، تکلیفوں اور پریشانیوں کا علاج اسی کے پاس ہے۔اس کی آواز اور لہجہ پر اثر اور مقدس محسوس ہوتا ہے۔وہ جب اس سے بات کرتی تو اسے محسوس ہوتا کہ وہ بات نہیں کر رہی بلکہ دبی زبان میں راوی کو کوئی آسمانی پیغام سنا رہی ہے جو اس پر خدا کی طرف سے اترا ہے۔اس کی موجودگی اسے روحانی سکون دیتی ہے۔اس کی مسکراہٹ اسے تازہ ہوا کے جھونکے جیسی محسوس ہوتی۔

گوتما میں نام کے علاوہ گوتم بدھ کی شخصی خصوصیات بھی موجود ہیں۔اس کا دل محبت کے جذبے سے لبریز ہے۔وہ ڈاکٹر سے محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتی نظر آتی ہے کہ:

"ڈاکٹر۔۔۔میں تم دونوں کو چاہتی ہوں، میں نے اپنی محبت کا آنچل تم دونوں پر ایک ساتھ ڈالا ہے۔۔۔پال اور تم۔۔۔تم اور پال، یہ ایک ہی ٹہنی کے دو پھول ہیں۔جن پر میری محبت شبنم بن کر ایک ساتھ گری ہے میرے دل کے معبد میں تم دونوں کی مورتیاں ہیں تم میری ندی کے کنارے ہو۔۔۔اور میری کشتی کے بادبان ہو اور میری عظیم الشان مسجد کے مینار ہو اور میں ایک پل کی مانند تم دونوں کے سہارے زندہ ہوں۔"(۵)

گوتما کی محبت لازوال ہے۔گوتم بدھ کی طرح اس کا دل نہ صرف ہمدردی اور محبت سے معمور ہے بلکہ وہ اعلیٰ اخلاق، مہمان نواز اور صفائی پسند بھی ہے۔والد اور بہن کے ساتھ اس کا رویہ نہایت دوستانہ ہے۔بدھ مت کی بنیاد اخلاقیات پر استوار ہے عادل زمان اس حوالے سے لکھتے ہیں۔کہ "یہ مذہب خالصتا اخلاقیات کا سبق دیتا ہے۔"(۶) گوتما انہی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والی شخصیت ہے۔یعنی وہ اخلاقیات کا عملی نمونہ ہے۔مہمان نوازی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔پال اور ڈاکٹر کو اپنے گھر چائے پر آنے کی

دعوت دے کر ان کا استقبال کھڑے ہو کر کرنا اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑنا اس کے اعلیٰ اخلاقی رویے کی مثال ہے۔

اے حمید کی بے حد پسندیدہ صنفِ ادب افسانہ نویسی ہے۔ یہ دور حاضر کے ترجمان اور رومانی فطرت سے عشق کرنے والے ادیب ہیں۔ زیر نظر کہانی میں رومانی فطرت کا عکس تین کرداروں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کردار بے مثل، خوش لباس اور خوش گفتار ہیں۔ مصنف نے چھوٹے اور معمولی واقعے سے کہانی کو بنا ہے۔ ان کا انداز بیاں دلنشیں اور جادوئی ہے۔ جو کہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ کہانی ایک خاص ماحول اور ایک خاص فضا میں لکھی گئی ہے۔ اس میں فطری حسن دکھائی دیتا ہے۔ اسی فطری حسن اور دل کشی نے اس کہانی کی فضا میں نغمہ و شعر کی سی رنگینی بھر دی جس کی بدولت کہانی دلچسپ ہو گئی ہے۔

۲۔ سدھارتھ / سدھارما

بدھا تاریخ کے اوراق میں مختلف ناموں سے براجمان ہیں جن میں ایک اہم نام سدھارتھ ہے اس نام سے ملتا جلتا نام سدھارما اردو افسانے میں استعمال کیا گیا ہے اس سلسلے کا ایک اہم افسانہ "ادھورا گیان" ہے جو کہ مشتاق مومن نے تخلیق کیا اور یہ مشتاق مومن کے افسانوی مجموعے رت جگوں کا زوال میں شامل ہے جو کہ ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ افسانہ تاریخ بطور افسانہ کی ایک زندہ مثال ہے کہ اس افسانے میں مصنف نے تاریخی کردار گوتم بدھ سے متاثر کردار سدھارما کو پیش کیا ہے جو کہ افسانے کا مرکزی کردار ہے اور بدھا کے نقش قدم پر چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دونوں کرداروں میں بہت سی مشترک خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً

- بدھا محل میں پیدا ہوئے اور وہی پلے بڑھے سدھارما بھی محل کے ماحول کا عادی ہے۔
- گوتم بدھ خود کلامی کو اہمیت دیتے ہیں سدھارما بھی خود کلامی کے وصف سے مالا مال ہے۔
- تاریخی کردار بدھا کی طرح سدھارما بھی راج گدی پر نہیں بیٹھنا چاہتا۔ اس حوالے سے سدھارما اپنے گرو سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ:

> "راج گدی کے لیے میں نہیں۔۔۔ مجھے گیان حاصل کرنا ہے پورا گیان۔ اسی لیے موہ مایا کے جال سے نکل کر گیان اور شانتی میں دھیان لگانا چاہتا ہوں۔ (۷)

- بدھا کی طرح سدھارما بھی من کی شانتی کا راستہ کھوجنا چاہتا ہے۔
- بدھا کی طرح سدھارما بھی گیان کے حصول سے قبل ذہنی الجھنوں کا شکار رہتا ہے۔

- سدھارما بھی بدھا کی طرح شانتی و گیان کی تلاش میں جنگلوں بیابانوں کی جانب نکل پڑتا ہے اور وہاں درختوں کے پھل پھول کھا کر گیان کی منزل کو پانے کے لیے کڑی تپسیا کرتا ہے۔
- بدھا کو کڑی تپسیا کے بعد گیان حاصل ہوا۔ سدھارما بھی کڑی جدوجہد کے بعد گیان کی پہلی سیڑھی پانے میں کامیاب ہوا۔

ان مشترک کرداری نکات سے معلوم ہوتا ہے کہ سدھارما کا کردار بدھا کے تاریخی کردار سے متاثر ہو کر تخلیق کیا گیا ہے جس نے گوتم کے تاریخی کردار کو قاری کے سامنے از سر نو زندہ کر دیا۔ مشتاق مومن نے سدھارما کے کردار کو پیش کرتے ہوئے تاریخی حقائق میں اپنی خواہشات و نظریات کے مطابق تبدیلی کی ہے کیوں کہ تاریخی کرداروں اور حقائق وواقعات کو افسانہ بنانے کے لیے ادباء کو مختلف صورتیں اپنانا پڑتی ہیں وگرنہ افسانہ اور تاریخ میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس حوالے سے نزہت سمیع الزمان اپنی تصنیف "تاریخ اور افسانہ" میں لکھتی ہیں کہ بعض ادیب مثلاً

> "بنکم بابو اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردوبدل کو جائز سمجھتے ہیں۔"(۸)

تاریخی کردار سدھارتھ یعنی بدھا راج محل چھوڑنے کے بعد واپس گدی پر کبھی بھی براجمان نہیں ہوتا بلکہ سنیاسی بن کر گیان دھیان میں زندگی گزارتا ہے جبکہ افسانے کا مرکزی کردار سدھارما گیان کی پہلی سیڑھی پالینے کے بعد محل میں گدی پر بیٹھ جاتا ہے، افسانے کا یہی ایک نقطہ تاریخ اور افسانے کو جدا کرتا ہے۔ مشتاق مومن نے زیر تحقیق افسانے کے مرکزی کردار کا نام سدھارما رکھا جو کہ سدھارتھ نام سے مشابہت رکھتا ہے۔ زیر تحقیق افسانے میں نہ صرف گوتم سے اثرپذیر کردار ہے بلکہ گوتم بدھ کی تعلیمات کے اثرات بھی واضح دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً

افسانے میں سدھارما کو راج گرو کہتے ہیں کہ

- خواہشات پر قابو رکھنا ضروری ہے کیوں کہ خواہشات کے پیچھے بھاگنے کو آگ میں گھی ڈالنے کے مترادف گردانا گیا ہے اس حوالے سے کرشن کمار اپنی تصنیف گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک میں لکھتے ہیں کہ

"بدھ نے کہا: بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک کے بعد دوسرے جنم میں طویل عرصے سے چکر کاٹ رہی ہیں۔۔۔ اسی خواہش کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مخلوقات وجودوں کی طلسمی نگری میں منڈلاتی رہتی ہیں۔"(۹)

- من کی شانتی صبر کے راستے پر چل کر ملتی ہے۔
- اس دنیا میں آنے والا ہر جان دار موت کا مزہ چکھے گا کیوں کہ موت برحق ہے۔
- دوسروں کی مدد کرنے کی تعلیم جس طرح زیر تحقیق افسانے میں رانی سلونی مہارانی چندرا کی مدد ان کی جان بچا کر کرتی ہے۔
- زندگی گزارنے کے لیے درمیانی راستے کا چناؤ کرنا جس طرح افسانے میں سدھارما جنگل میں بھوکا پیاسا رہنے کی بجائے پھل پھول پر گزارا کرتا ہے یعنی سدھارمانہ ہی بھوکا پیاسا رہ کر سخت ریاضت کرتا ہے اور نہ عیش پرستی۔
- گوتم کی تعلیمات میں ایک اہم تعلیم خود پر بھروسہ کرنا بھی ہے۔ زیر تحقیق افسانے میں مرکزی کردار اس تعلیم پر بخوبی عمل کرتے دکھائی دیتا ہے۔ سدھارماراج گدی اس لیے سنبھالتا ہے کیوں کہ اسے خود پر بھروسہ ہوتا ہے کہ صرف وہ ہی اپنی نگری کو دھرتی کے ماتھے کا جھومر بنا سکتا ہے۔
- مرکزی کردار سدھارما گوتم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے دنیا تیاگ دیتا ہے کیوں کہ سدھارما نروان کا طلب گار ہوتا ہے۔ بدھا کی تعلیمات کے مطابق

"نجات کا ذریعہ نروان ہے جس کے معنی دل کو فنا کر دینے کے ہیں۔ جب تک انسان زندہ ہے اس سے فعل کا صدور ہو گا۔ کیوں کہ فعل ہستی ہے لہذا خواہشات اور دلی اغراض کے بغیر عمل کرنا چاہیے۔"(۱۰)

بدھا کی یہ تمام تعلیمات افسانے میں بکھری پڑی ہیں اور مصنف نے مرکزی کردار کو گوتم بدھ کی انہی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دکھایا ہے۔ سدھارما ایک ایسا کردار ہے جو اپنی نفسیاتی قوتوں کے زیر اثر بدلتا رہتا ہے۔ اس کا سفر راج محل سے شروع ہو کر راج گدی پر ختم ہوتا ہے۔ اپنے اس سفر میں وہ تین اہم مراحل سے گزرتا ہے۔ پہلے مرحلے میں سدھارما کو عام آدمی کی صورت الجھنوں کا شکار دکھایا گیا ہے۔ جو اس سوچ میں گم ہے کہ شانتی اور گیان سے موہ مایا یعنی دنیا کی محبت کی طرف جایا جائے یا موہ مایا کو چھوڑ کر شانتی

وگیان میں دھیان لگایا جائے۔ اس مرحلے میں اسے سپنے ستاتے ہیں اور وہ کشمکش کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوالات آتے ہیں وہ ان سوالات کو لے کر گرو مہاراج سے بحث کرتا دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف وہ راج گدی پر بھی نہیں بیٹھنا چاہتا وہ ہر وقت شانتی اور گیان کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ اس کی انہی سوچوں کی وجہ سے رانی سلونی مہارانی چندرا کے پاس آکر کہتی ہیں کہ میرے بیٹے دھرم راج کو راج گدی پر بٹھایا جائے کیوں کہ:

> "سدھارما گیانی دیکھتی ہے، کرم یوگ، گیان یوگ اور بھگتی یوگ ہی اس کا سنسار ہے اور وہ گدی پر بیٹھنا بھی نہیں چاہتا۔ سدھارما بھی یہی چاہتا ہے کہ دھرم راج گدی پر بیٹھے۔"(۱۱)

دوسرے مرحلے میں سدھارما محل کو خیر باد کہہ کر جنگل چلا جاتا ہے اور جنگل میں دن بھر ریاضت میں مشغول رہتا تھا اور نیند آتی تو گھاس پر سو جاتا اور اسی ریاضت کے عوض اسے گیان کی پہلی سیڑھی ملی۔ پہلے دو مراحل میں سدھارما گوتم کے نقش قدم پر چلتا دکھائی دیتا ہے مگر تیسرے یعنی آخری مرحلے میں وہ راج محل میں لایا جاتا ہے اور راج گدی پر براجمان ہونے کے لیے رضامند ہو جاتا ہے۔ یہ تین مراحل سدھارما کی ذہنی ترقی کے عکاس ہیں۔ افسانے کا ہیرو یعنی سدھارما پورے افسانے میں گوتم کی طرح غور و فکر کرتے دکھائی دیتا ہے۔ اسی غور و فکر کی بدولت یہ کردار اردو افسانے میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کی حرکات سے زندگی کے آثار کا اظہار ہوتا ہے۔ اس حوالے سے عبدالقادر سرور اپنی تصنیف اصولِ افسانہ نگاری میں لکھتے ہیں کہ

> "ہیرو اور ہیروئن ۔۔۔ زندہ دل ہونے چاہئیں۔ ان کی حرکت سے زندگی کے آثار کا اظہار ہو۔ غرض وہ چلتے پھرتے، کھیلتے کودتے اور غور و فکر کرتے پیش ہونے چاہئیں۔ حقیقی زندگی سے متعلق ہونا کردار کی کامیابی کی دلیل ہے۔"(۱۲)

زیر تحقیق افسانے کا ہیرو چونکہ گوتم بدھ کے کردار و افکار سے اثر پذیر کردار ہے اسی وجہ سے یہ کردار زندہ دلی کا نمونہ ہے۔ اس کی زندہ دلی اس کے ذہنی ارتقاء کا موجب بنتی ہے۔ جس کی بدولت وہ زندگی کے ہر میدان میں کامران دکھائی دیتا ہے۔ پھر چاہے وہ گیان دھیان کا معاملہ ہو یا پھر راج گدی پر براجمانی کا اگر یوں کہا جائے کہ سدھارما کا کردار گوتم بدھ کے کردار کا عکس ہے تو غلط نہ ہو گا کیوں کہ سدھارما انھی مشکلات اور الجھنوؤں کا شکار ہے جو کہ بدھا کو درپیش تھیں۔ دونوں ترک دنیا کا عملی نمونہ ہیں۔

۳۔بدھ / بدھا

من کی شانتی کا راستہ کھوجنے کے بعد گوتم کو بدھ اور بدھا کے نام سے موسوم کیا جانے لگا، ان کے انہی ناموں کو تخلیق کاروں نے اپنے افسانوں میں جگہ دی ،اس حوالے سے اہم افسانے "خدا کا بھیجا ہوا پرندہ" اور "گٹاری کے انڈے" ہیں۔

خدا کا بھیجا ہوا پرندہ صدیق عالم کا افسانہ ہے جس میں بدھ رام نامی کردار پیش کیا گیا ہے یہ افسانہ صدیق عالم کے افسانوی مجموعے مرے ہوئے آدمی کی لالٹین میں موجود ہے جو کہ ۲۰۱۹ء میں ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی سے منظر عام پر آیا اس میں کل بیس افسانے ہیں۔ یہ حقائق اور خیالی تصورات پر مشتمل کہانی ہے جس کا موضوع فسادات اور وقت کا تصور ہے انگریز ملک سے جا چکے تھے اور مسلمان مشرقی پاکستان کی جانب رواں دواں تھے۔ بستی میں صرف کچھ مسلمان باقی رہ گئے تھے جو راوی کے دادا کی دو منزلہ عمارت سے امید لگائے بیٹھے تھے اور جب بھی شہر میں فسادات عام ہوتے تو وہ پناہ لینے کی غرض سے آجاتے تھے۔ راوی کے دادا کو آئے دن پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام سہنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں تھانے کے چکر بھی لگانے پڑتے تھے۔ ایک دن انہیں فسادیوں نے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر قتل کر ڈالا۔ اس کے دادا کے مکان میں بہت سے کرائے دار رہتے تھے جن میں سے ایک بدھ رام بھی تھا جو کہ دادا کے ساتھ اسٹیشن پر نوکری کرتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب وہ ریلوے کوارٹر سے راوی کے دادا کے مکان میں شفٹ ہوا تو ایک دن ایک عورت اللہ کے نام والا طوطا اسے دے گئی جس کو دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ برا وقت آنے والا ہے۔

زیر نظر افسانے کا شمار ان افسانوں میں ہوتا ہے جن میں گوتم بدھ سے اثر پذیر کردار موجود ہیں۔ کہانی میں مصنف نے ایک ایسے کردار کو پیش کیا ہے جس کا نام بدھ رام ہے۔ یہ نام گوتم بدھ کے نام سے متاثر ہو کر رکھا گیا ہے نہ صرف نام بلکہ اس کردار میں گوتم بدھ والی خصوصیات بھی موجود ہیں مثلاً

- گوتم بدھ نے محل اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر جنگلوں میں اکیلے زندگی گزار کر نروان حاصل کیا بالکل اسی طرح بدھ رام بھی تنہا رہا۔

> "بدھ رام نے زندگی بھر اپنے رشتے داروں سے دور ریلوے کوارٹر میں مجرد کی زندگی گزار دی۔"(۱۳)

- دونوں کرداروں میں دوسروں کی مدد کا جذبہ موجود تھا۔ بدھ رام کے رشتہ داروں کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہ لوگ صرف مطلب کی غرض سے اس کے پاس آتے تھے۔ وہ ان کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ اس کے پاس ہر ضرورت مند کے لیے رقم موجود ہوتی تھی۔
- دونوں کردار دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ بدھ رام کے نزدیک

> "اس دنیا میں پانے کے لائق کچھ بھی نہیں ہے اور وہ جنھوں نے بڑی بڑی حویلیاں کھڑی کیں اور کھیت اور باغات کے ڈھیر لگا دیے، مرنے کے بعد انھیں دو گز زمین پر قناعت کرنی پڑی۔ انھیں تین پشت سے زیادہ یاد بھی نہیں رکھا گیا۔"(۱۴)

- دونوں کرداروں کے نزدیک مال و دولت کی کوئی اہمیت نہیں۔ دونوں مال و دولت کو حقیر شے مانتے ہیں۔

تاریخی کردار گوتم بدھ اور افسانے کے کردار بدھ رام میں جہاں مشترک خصوصیات ہیں وہی پر چند اختلافات بھی موجود ہیں مثلاً

- گوتم بدھ راج محل کے شہزادے تھے بعد میں راج محل چھوڑ کر جنگل میں ریاضت کر کے گوتم سے گوتم بدھ بن کر لوگوں کو اخلاقی درس دینے لگے اور مرتے دم تک بھکشو کی سی زندگی گزاری جبکہ بدھ رام نوکری پیشہ آدمی تھا۔ اس نے تمام عمر ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزاری۔ ریٹائرمنٹ کے بعد عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور وقت کی تیز رفتاری اسے اپنے ساتھ بہالے گئی۔
- بدھ رام نے مجرد کی زندگی گزاری تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اسی وجہ سے راوی کے دادا کو بدھ رام پر بہت رحم آتا تھا جبکہ گوتم بدھ نے شادی کی۔ جس سے ان کا بیٹا راہل پیدا ہوا جو بڑا ہو کر اپنے والد کی طرح بھکشو بنا۔

تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے ہمارے ادیب مختلف صورتیں اپناتے ہیں لہذا ان اختلافات کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصنف نے اس کہانی میں تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کو مد نظر رکھا ہے۔ اس حوالے سے نگہت سمیع الزمان اپنی تصنیف تاریخ اور افسانہ میں لکھتی ہیں کہ

"بنکم بابو اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردوبدل کو جائز سمجھتے ہیں۔"(۱۵)

بنکم بابو کی طرح صدیق عالم نے بھی اسی صورت کو اس کہانی میں اپنایا ہے۔

جہاں ایک طرف گوتم بدھ کے نام اور شخصی خصوصیات سے متاثر شخص بدھ رام نظر آتا ہے تو وہی دوسری طرف کہانی میں گوتم بدھ کی فکر کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مرکزی کردار بدھ رام خدمت خلق کا پیکر تھا۔ وہ ان لوگوں کا بھی احساس کرتا تھا جو اس کو مطلب کے وقت یاد کرتے تھے۔ وہ نہ صرف رشتے داروں کے ساتھ بلکہ غیروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتا تھا۔ راوی کے دادا جو کہ اس کے ساتھ نوکری کرتے تھے ان کے ساتھ اس کا رویہ سگے بھائیوں کی طرح تھا۔ اس کے رشتہ داروں کی ایک بڑی فوج تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا اور آئے دن اپنی عجیب وغریب مانگوں کے ساتھ اسے تنگ کرنے آجاتے تھے۔ راوی کے دادا اکثر بدھ رام کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ

"تم اپنے رشتے داروں میں لوٹ کیوں نہیں جاتے۔ بڑھاپے میں ایک انسان کو سب سے زیادہ اپنے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اس پر بدھ رام ان سے کہتا کہ

"ایک دن تمہیں اپنے لوگوں کا مطلب سمجھ میں آئگا جب میں تمہیں اپنے لوگوں کے بیچ لے جاؤنگا۔۔۔اُس دن تم صحیح رائے دینے کے قابل ہو جاؤ گے۔"(۱۶)

رشتہ داروں کا سلوک اس کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہ تھا۔ نہ ہی انھیں اس بات کی فکر تھی کہ وہ اکیلے زندگی گزار رہا ہے ان سب کے باوجود بدھ رام کے پاس ان میں سے کوئی مدد مانگنے آتا تھا تو وہ اس کی مدد فوراً کر دیتا۔

افسانے میں یہ درس دیا گیا ہے کہ انسان کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب سے ہو اس کے اندر فطری طور پر ہمدردی اور رحم کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اسی جذبے کے تحت انسانیت کی مدد کرنا چاہے تو کوئی بھی دنیاوی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔ بدھ رام ایسا مثالی کردار ہے جس نے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ہمیشہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

دیکھا جائے تو آج کے دور میں رشتہ داروں سے حسن سلوک ناپید ہو چکا ہے ہر جانب نفسا نفسی کا عالم ہے۔ بد سلوکی، کینہ، بغض، لالچ اور حسد جیسی برائیاں معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ تعصب پسندی اور فرقہ واریت کا بول بالا ہے۔ مذہب کے نام پر دنگے فسادات عام ہیں۔ اس تعفن زدہ معاشرے میں رہنے والوں کے لیے یہ افسانہ خدمت خلق اور امن کا پیغمبر ہے۔

اسی طرح دیوندر ستیار تھی کا افسانہ "گٹاری کے انڈے" اہم افسانہ ہے کہ جس میں گوتم بدھ کے نام کا کردار بدھ سنگھ مرکزی کردار کے طور پر موجود ہے ۔ یہ افسانہ افسانوی مجموعے شہر شہر آوارگی میں شامل ہے جسے ۲۰۱۲ء میں عبدالسمیع نے مرتب کر کے شائع کیا۔

اگر ہم تاریخ کے عنصر کو افسانے میں دیکھیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ تاریخ کو افسانہ بنانے کا سلسلہ قدیم زمانے سے چلتا آرہا ہے اور یہ کہانی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے کہ اس میں مصنف نے گوتم کے نام اور کرداری خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر نزہت سمیع الزماں لکھتی ہیں کہ

> "بھگوان گڈوانی ۔۔۔ کو ایک غیر جانب دار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن تھی۔ انھوں نے اپنی تلاش و جستجو سے جو حقائق معلوم کئے ان کو عوام تک پہنچانے کے لیے تاریخی ناول کا سہارا لیا۔" (۱۷)

یعنی بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے مخصوص دور کے تاریخی کرداروں کی حقیقت معلوم کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں اور اس جستجو سے جو حقائق سامنے آتے ہیں انھیں غیر مورخ کی طرح بیان کر دیتے ہیں زیر تحقیق افسانے میں مصنف نے اسی صورت کو اپنایا ہے۔ مصنف نے گوتم بدھ کے نام کے استعمال کے ساتھ ساتھ کرداری خصوصیات کو بھی غیر جانبدار مورخ کی طرح بیان کرنے کی کاوش کی ہے۔ مصنف نے تاریخی کردار گوتم بدھ سے متاثر ہو کر اپنے افسانے کے مرکزی کردار کا نام بدھ سنگھ رکھا، نہ صرف نام بلکہ بدھ سنگھ اور مہاتما بدھ میں بہت سی مشترک خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں مثلاً:

بدھ سنگھ تاریخی کردار بدھا کی طرح اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے۔ چھوٹے بڑے سب سے محبت بھرے انداز میں گفتگو کرنا بدھ سنگھ کا شیوہ ہے۔ اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے اس سے گھر کا ہر فرد پیار کرتا ہے۔ گھر والے اس پر اعتبار کرتے ہیں۔ اپنا کام ایمان داری اور وقت پر کرتا ہے۔ نہ صرف گھر والوں کے ساتھ بلکہ مہمانوں

کے ساتھ بدھ سنگھ کا سلوک ہمیشہ خوشگوار رہتا ہے۔ افسانہ نگار دیوندر ستیارتھی نے افسانے میں اس کے حسن اخلاق کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"گھر میں اس کا اعتبار ہے اور وہ اپنا کام ایمان داری سے کرتا ہے۔ جتنے مہمان آتے ہیں، اُن کے ساتھ بدھ سنگھ کا سلوک ہمیشہ خوشگوار رہتا۔ بچوں سے اُسے بے حد محبت تھی۔"(۱۸)

تاریخی کردار گوتم بدھ کا دل نہ صرف انسانوں بلکہ پرندوں کے لیے بھی نرم گوشہ رکھتا تھا۔ بالکل اسی طرح بدھ سنگھ بھی نہ صرف انسانوں بلکہ پرندوں سے محبت کرتا دکھایا گیا ہے۔ گھر میں گٹاری کا گھونسلہ تھا بعض اوقات کوے یا سانپ سے گٹاری کو خطرہ لاحق ہوتا تو بدھ سنگھ جان پر کھیل کر گٹاری اور اس کے انڈوں کی حفاظت کرتا۔ گٹاری انسان کی سب سے بڑی دوست ہے یہ جملہ بدھ سنگھ کا تکیہ کلام تھا۔ اس لیے گٹاری کو عورت کی مانند قرار دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود عورت کا تصور اس کے ذہن میں واضح نہ تھا۔

مہاتما بدھ شادی کو پاؤں میں پڑی بیڑی تصور کرتے تھے۔ اسی طرح بدھ سنگھ بھی شادی نہیں کرتا کیوں کہ وہ شادی کو پاؤں کی زنجیر سمجھتا ہے۔ شادی کے معاملے میں بھی بدھ سنگھ مہاتما بدھ کی سوچ کا عکاس ہے۔ افسانہ نگار نے شادی کے حوالے سے بدھ سنگھ کی سوچ کی عکاسی اس طرح سے کی ہے کہ:

"بدھ سنگھ بیاہ نہیں کرائے گا۔ بدھ سنگھ اتنا بدھو نہیں ہے کہ اپنے پیروں میں ایک زنجیر ڈال لے۔"(۱۹)

ان خصوصیات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نام کے استعمال کے ساتھ گوتم بدھا کی شخصی خصوصیات کو افسانے میں پرویا گیا ہے۔ نام کے استعمال اور شخصی خصوصیات کے علاوہ بدھا کی تعلیمات کا تذکرہ بھی افسانے میں جابجا ہے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- انسان کو ہمیشہ سوچ کر بولنا چاہیے اور سوچ کر ہی کام سرانجام دینا چاہیے۔
- خود کو دوسروں کی مدد و خدمت میں وقف کر دینا چاہیے۔ چاہے وہ انسان ہوں یا پھر پرندے۔ دوسروں کے کام آنا سب سے اچھا عمل ہے۔
- جابجا بدھ سنگھ خود کلامی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے مطابق آدمی کو اکیلے میں اپنے من سے باتیں کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے ایسا کرنے سے انسان کے دل سے کڑواہٹ نکل جاتی ہے۔

- کھارے پانی کے کنویں سے کبھی میٹھا پانی حاصل نہیں ہوتا چاہے اس میں جتنی مرضی کھانڈ ڈال دی جائے۔
- سانپ کے بچوں کو چاہے من بھر دودھ پلایا جائے وہ پھر بھی انسان کے دوست نہیں ہو سکتے۔
- زندگی غموں کا مجموعہ ہے۔ زندگی میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ انسان کی زندگی ہو یا پھر پرندوں کی ہر ذی روح کو دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بدھ سنگھ افسانے میں اس بات کو اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ

> "زندگی ہے تو ایک نہ ایک غم لگا رہے گا ایک نہ ایک ظلم، ایک نہ ایک ناانصافی، زندگی سپیرے کی بین ہے نہ جادوگر کا تھیلا۔ زندگی ایک سڑک ہے جس پر پیدل چلنا ہوتا ہے۔"(۲۰)

- افسانے میں انصاف اور صداقت کی تعلیم کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ انصاف اور صداقت کے حوالے سے بدھ مت کی تعلیمات واضح ہیں۔ جن پر بدھا نے خود بھی عمل کیا اور اس کی طرح اس افسانے کا مرکزی کردار بدھ سنگھ بھی اپدیش دیتے دکھائی دیتا ہے اس حوالے سے کرشن کمار اپنی کتاب "گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک" میں لکھتے ہیں کہ:

> "گوتم کے بقول ہمدردی، محبت، بے غرضی اور راست گفتاری وغیرہ اعلیٰ اخلاقیات وتصورات میں شامل ہیں۔۔۔ نفسانی خواہشات، نفرت اور دنیاوی اشیاء کے حصار سے رہائی پانا ہی اعلیٰ ترین اخلاقی تربیت کا مقصود ہے۔"(۲۱)

بدھ سنگھ گٹاری کو اپنے بچوں کے لیے کیڑا مکوڑا لاتے دیکھتا تو اسے خیال میں آتا کہ ماں کی محبت سب سے بڑی چیز ہے۔ دنیا میں کوئی بھی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر بدھ سنگھ گلی کی ماں کا موازنہ گٹاری کی مامتا سے کرنے لگتا ہے۔ اس کے نزدیک گٹاری میں نہ صرف انسانوں کی طرح مامتا کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے بلکہ گٹاری انسان کی سب سے بڑی دوست ہے کیوں کہ جب سانپ آنکلتا ہے تو گٹاری کا جوڑا سب سے پہلے شور کرتا ہے۔ گٹاری کی چیخ وپکار گھر میں سانپ کی موجودگی کا علم دیتی ہے۔

مصنف نے گروہ مہاراج کے اقوال کو بدھ سنگھ کی زبانی ادا کرواتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھایا۔ بدھ سنگھ اپنی ہر بات کا آغاز گروہ مہاراج کے قول سے کرتا ہے۔ گھر والے اس کے اچھے اخلاق اور محنتی ہونے کی بدولت اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ اس کی سب بڑی خوشی گلی کو مچل مچل کر باغیچے میں اچھلتے کودتے دیکھنا، گھر

کے افراد اور پرندوں سے محبت کرنا، مہمانوں کی آؤ بھگت میں کسر نہ چھوڑنا اور کسی مہمان کے منہ سے زمانے کے حالات پر تبصرہ سن لینا اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنا اور گٹاری کو اپنے گھونسلے میں چہکتا دیکھنے میں تھی۔ بدھ سنگھ اخلاقیات کا عملی نمونہ تھا۔ جب کبھی گھر کا کوئی فرد بیمار پڑتا خاص طور پر بھابوجی جو کہ گلی کی دادی تھیں تو بدھ سنگھ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی سیوا کرتا۔ گلی کے ماں باپ، بھابوجی حتی کہ گٹاری سب ہی بدھ سنگھ کی اخلاقیات اور سیوہ سے خوش اور مطمئن تھے حتی کہ جب گٹاری کے انڈے سانپ کھا جاتا ہے اور گٹاری کو بے آب مچھلی کی طرح تڑپتے دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں گروہ مہاراج کا قول آتا ہے کہ گٹاری پہلے عورت تھی۔ گٹاری کا دکھ اب بھی کم نہیں ہوا۔ زندگی کا غم اس کے نصیب میں لکھا ہوا ہے۔ پھر بھی وہ انڈے دینے سے باز نہیں آتی۔

(ب): خصوصیات کی بنیاد پر کرداروں کا مطالعہ

اردو افسانے میں جہاں گوتم بدھ کے مختلف ناموں کا استعمال دکھائی دیتا ہے وہی تخلیق کاروں نے گوتم بدھ کی شخصی و روحانی خصوصیات سے متاثر کردار بھی پیش کئے ہیں جن کا مقصد گوتم بدھ کی کرداری خصوصیات سے قاری کو متعارف کروانا اور معاشرے کی اصلاح کرنا ہے۔ گوتم کا کردار مختلف حوالوں سے تاریخ میں اہم گردانا گیا ہے مثلاً امن، شانتی، نروان، دکھ، تیاگ وغیرہ۔ فکشن کے تخلیق کاروں نے انسانی رویوں کے بارے میں لکھتے ہوئے انہی حوالوں سے استفادہ کیا ہے۔

ا۔ شخصی خصوصیات

ہر انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے منفرد اور شاندار شخصیت عطا کی ہے اور بے انتہا خوبیوں و صلاحیتوں سے نوازا ہے اگر انسان ان خوبیوں و صلاحیتوں کو بروئے کار لائے تو نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگی کو بھی آسان بنا سکتا ہے۔ گوتم بدھ ایسی ہی عظیم ہستی تھے کہ جن کی شخصی خصوصیات سے متاثر ہو کر افسانہ نگاروں نے افسانے تخلیق کئے اس ضمن میں نمائندہ افسانہ "ایک ہی راستہ" ہے جس کو ڈاکٹر ابن کنول نے تخلیق کیا جو کہ ان کے افسانوی مجموعے "بند راستے" میں موجود ہے، یہ مجموعہ ۲۰۰۰ء میں ہم قلم پبلی کیشنز، دہلی سے منظر عام پر آیا اور اس میں کل چھبیس افسانے ہیں۔ اس مجموعے میں مصنف نے موجودہ دور میں دہشت گردی،

مہنگائی، عصمت دری، بد عنوانی اور بد اخلاقی جیسے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ ابن کنول ہندوستان کے معروف افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، ناقد اور محقق ہیں ان کا اصل نام ناصر محمود کمال ہے۔

ایک ہی راستہ کا شمار ان افسانوں میں ہوتا ہے کہ جن میں گوتم بدھ کی شخصی خصوصیات اور تعلیمات کا ذکر ہے۔ مصنف نے تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے اپنے مخصوص نظریات وخواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردوبدل کی ہے۔ گوتم بدھ کی پہلی عظیم سچائی کو موجودہ دور کی ستم ظریفی اور دکھوں سے جوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ افسانے میں ایک ایسے کردار کو پیش کیا ہے۔ جس میں گوتم بدھ والی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلا

گوتم بدھ زمانے کے دکھ دیکھ کر مضطرب ہو جاتے ہیں اور سب کچھ چھوڑ کر جنگل کی جانب چل دیتے ہیں اسی طرح زیر نظر افسانے کا مرکزی کردار بھی ظالموں کے مظالم اور مظلوموں کی تکالیف دیکھ کر بے قرار اور بے چین ہو جاتا ہے اور گوتم کی طرح کرب اور بے سکونی سے چھٹکارا پانے کے لیے جنگل کی راہ لیتا ہے یعنی نرم دلی اور احساس کے جذبے سے دونوں کردار مالامال ہیں۔

- دونوں کردار کڑی تپسیا کر کے ایسی طاقت پانا چاہتے تھے کہ جس سے تکالیف سے چھٹکارا حاصل ہو سکے اور امن وسکون قائم کیا جاسکے۔
- دونوں کردار ایک گھنے درخت کے سائے میں ریاضت کرتے ہیں اور دونوں کو درخت کے سائے میں ہی ریاضت کا پھل ملتا ہے۔ یعنی دونوں اپنی اپنی ریاضت میں کامیاب ہوتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ گوتم بدھ کو نروان حاصل ہوتا ہے جس کی میعاد دائمی ہے مگر افسانے کے کردار کو برائی کے خاتمے کے لیے ایسی قوت ملتی ہے جس کا استعمال صرف ایک بار ہو سکتا تھا۔

دونوں کرداروں میں جہاں مشترک خصوصیات ہیں وہی پر ان میں کچھ اختلافات بھی موجود ہیں۔ مثلاً

- بدھا کو نروان خدا کی ذات سے براہ راست ملا جبکہ افسانے کے مرکزی کردار کو برائی کے خاتمے کے لئے طاقت سفید ریش بزرگ کی مدد سے ملی۔
- دونوں کرداروں کی نفسیات میں ایک واضع فرق ہے، مرکزی کردار کی نفسیات کو مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

"میں کیوں اپنے اطراف کی دنیا کو دیکھ کر پریشان ہوں۔ میں پیغمبر نہیں ہوں کہ اہل دنیا کی نجات کے لیے فکر مند ہوں۔۔۔ میں گوتم نہیں ہوں کہ راج پاٹ چھوڑ کر درخت کے نیچے جا بیٹھوں۔ میں عیسی نہیں ہوں کہ دکھی افراد کے لیے مسیحا بنوں۔ میں بھی ان کروڑوں انسانوں میں سے ایک ہوں جو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی انہیں مہلت نہیں ہے۔ سب کے چہروں پر بظاہر اطمینان ہے پھر میں کیوں بے چین ہوں جبکہ میں بھی ان کا ایک حصہ ہوں۔"(۲۲)

جبکہ تاریخی کردار بدھا کا مقصد نروان کا حصول تھا۔ وہ لوگوں کو دکھوں سے نکالنا چاہتے تھے ان کے ذہن میں یہ بات بلکل نہ تھی جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔

- افسانے کا کردار خودکشی کرتا ہے مگر تاریخی کردار گوتم بدھ خودکشی نہیں کرتے بلکہ قدرتی موت ان کا مقدر بنتی ہے۔

مصنف کی بیان کردہ یہ تفریق تاریخی حقائق میں ردوبدل کا باعث بنی کہ تاریخ کو من و عن بیان کر دینے سے افسانے کے لوازمات پورے نہیں ہو پاتے۔ ابن کنول نے اس افسانے کی بنیاد عصری زندگی کے مسائل اور حقائق پر رکھی ہے۔ اس حوالے سے مصنف نے مرکزی کردار وہ کو پیش کیا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالتا ہے تو اسے ہر طرف برائی، ظلم، جبر، دکھ دکھائی دیتے ہیں۔ اسے زندگی کا کوئی پہلو ایسا نظر نہیں آتا۔ جہاں پر ایمان اور پاکیزگی موجود ہو۔ وہ معاشرے میں موجود برائیوں پر غور و فکر کرتا ہے۔ ہر طرف برائیوں کی انتہا دیکھ کر سوچتا ہے کہ موجودہ برائیوں کے علاوہ ایسی وہ کون سی برائیاں ہیں کہ جن کو قیامت کی نشانی بتایا جائے گا مزید یہ کہ آج کے معاشرے میں انسان اس قدر بے حس کیوں ہو گیا ہے کہ اسے اچھائی اور برائی میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک اب قیامت برپا ہو جانی چاہیے کیوں کہ قیامت کی نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ ہر طرف ظلم کی برمار ہے۔ لہذا وہ دن بدن بڑھتی ہوئی برائیوں اور مظالم کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ آج قیامت کا دن ہو گا اور کائنات کی ہر شے نیست و نابود ہو جائے گی کیوں کہ اس نے بزرگوں سے جو قیامت کی نشانیاں سن رکھی تھی وہ ان تمام کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ اور سن رہا تھا۔

مصنف نے معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں مثلاً فرقہ وارانہ فسادات، عصمت دری اور جہیز جیسی لعنت کو اختصار کے ساتھ قاری کی نظر کیا ہے۔ مرکزی کردار ان برائیوں کو دیکھنے کے بعد تنگ آکر جنگل کی

اور نکل جاتا ہے اور جنگل میں ایک گھنے درخت کے سائے میں بیٹھ کر ریاضت میں مشغول ہو کر خدا کے حضور دعا کرتا ہے کہ مجھے ایسی غیبی قوت عطا فرما جس کی مدد سے میں برائیوں کا خاتمہ کر سکوں مصنف نے اس کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"پھر ایک دن وہ گوتم نہ ہوتے ہوئے بھی گوتم کی طرح نکل کھڑا ہوا، گیان کی تلاش میں نہیں بلکہ ایسی غیبی قوت حاصل کرنے کے لیے، جس سے وہ اپنے غصے کا اظہار کر سکے اس کا مقصد زندگی سے فرار نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کہیں تنہائی میں خدا کو اکتا دینے والی ریاضت کرے گا تاکہ مجبور ہو کر خدا اس سے معلوم کرے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ پھر وہ خدا سے مانگے گا۔ ایک ایسی قوت جو اس کے غصے کا اظہار کر سکے۔"(۲۳)

آخر اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے اور اسے غیبی قوت عطا ہوتی ہے مگر وہ اس طاقت کو صرف ایک بار استعمال کر سکتا تھا۔ لہذا وہ اس کو استعمال کرنے کے لیے شہر لوٹ جاتا ہے۔ جہاں اسے قدم قدم پر تکلیف دینے والے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق زندگی دکھوں اور تکلیفوں کا مجموعہ ہے۔ اس حوالے سے عادل زمان خان اپنی کتاب گوتم بدھ میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ زندگی بہت ہی کمزور اور دکھوں، آلام اور مصائب سے بھری ہوئی ہے۔ یہ دکھ بہت ہی وسیع اور مختلف نوعیت کے ہیں۔ جن کی شدت بھی مختلف ہی نوعیت کی ہوتی ہے۔ جو کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی۔ جیسے کہ بے سکونی اور بے اطمینانی یا پھر کسی خاص واقعہ کا دکھ۔ یہ وقتی بے اطمینانی اور دکھ درجہ بدرجہ لمبی پریشانی اور گہرے دکھ کی جانب انسان کو دھکیلتے چلے جاتے ہیں۔"(۲۴)

اس نے دیکھا کہ ایک مقام پر مذہب کے نام پر فساد ہو رہا ہے ہر طرف چیخ وپکار ہے، ایک فرقہ دوسرے فرقے کے افراد کو بے دردی اور بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار رہا ہے اور ایک دوسرے کے گھروں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے۔ بعض لوگ عورتوں کی عصمت دری کر رہے ہیں یہ سب دیکھ کر آگے چل پڑا۔ آگے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ پر معصوم بچوں، عورتوں اور بے گناہ مردوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں جنہیں وحشی لوگوں نے بے گناہ موت کی نیند سلا دیا یہ دیکھ کر وہ مزید آگے بڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اچانک کئی عمارتوں میں بمباری ہوئی اور ان دھماکوں کے ساتھ عمارتیں اور ان کے اندر موجود بے قصور لوگ پرزے پرزے ہو کر بکھر گئے۔ اسی طرح آگے چل کر مزید واقعات کو دیکھا جو ظلم کی داستان بیان کر رہے

تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی قوت کو کون سی برائی کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرے کیوں کہ سب برائیاں بہت ہی بھیانک تھیں۔ آخر غصے کی حالت میں تنگ آ کر اس نے اپنی طاقت کو اپنے خلاف استعمال کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

دراصل یہ افسانہ ایک ایسے سماج کا عکس پیش کرتا ہے جو کہ برائیوں کا گڑھ ہے۔ جہاں پر بسنے والے افراد اپنی تمام اخلاقی اقدار کھو چکے ہیں۔ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں اور وہ انسانیت کے درجے سے گر چکے ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ مصنف نے معاشرے کی بے قدری اور زوال پذیری کو بڑے شاندار طریقے سے قاری کی نظر کیا ہے۔

۲۔ روحانی خصوصیات

روحانی خصوصیات کا تعلق انسان کے باطن سے ہوتا ہے ان خصوصیات کے لئے انسان کو کڑی تپسیا کرنی پڑتی ہے۔ گوتم بدھ ایسی شخصیت ہیں کہ جو اپنی روحانی خصوصیات کی بنا پر تاریخ میں الگ مقام رکھتے ہیں، ان کی انہی خوبیوں کی بدولت انہیں اردو افسانے میں اہمیت دی گئی۔ جن افسانوں میں گوتم بدھ کی روحانی خصوصیات کو پیش کیا گیا ان میں "کپل وستو" اور "کپل وستو کا شہزادہ" اہم افسانے ہیں۔

" کپل وستو" عشرت ظہیر کا افسانہ ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے ابھرتی ڈوبتی لہریں میں موجود ہے یہ مجموعہ ۱۹۷۹ء کو منظر عام پر آیا جسے پڑھ کر قاری تاریخی کردار گوتم بدھ، ان کی تعلیمات اور آبائی علاقے کپل وستو کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے۔ مصنف نے بدھا کی کرداری خصوصیات سے متاثر ہو کر یہ شاہکار تخلیق کیا۔ اس میں مرکزی کردار یعنی متکلم انہی روحانی خصوصیات کا حامل کردار ہے جو گوتم بدھ میں موجود تھیں۔ مثلاً

- دونوں کردار کپل وستو کے رہنے والے تھے اور دونوں نروان کے حصول کے لیے رات کے وقت اپنے بیوی بچوں کو سوتا چھوڑ کر کپل وستو تیاگ دیتے ہیں اس حوالے سے واحد متکلم سوچتا ہے کہ

> "شہزادہ سدھارتھ نے کپل وستو تیاگ دیا تھا۔ انھیں علم حقیقی حاصل ہوا اور سکون بھی میسر آیا۔ مجھے بھی سکون چاہیے۔ ترشنا سے نجات چاہیے۔"(۲۵)

- تاریخ کے اوراق اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ بدھا گیان کے حصول کے لیے جنگل میں پیپل کے پیڑ کے نیچے آنکھیں موند کر ریاضت میں مشغول رہے اسی طرح متکلم بھی پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ کر خدا سے لو لگاتا ہے۔

ان مشترک خصوصیات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ متکلم یعنی افسانے کا مرکزی کردار گوتم بدھ سے اثر پذیر کردار ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کردار کی بدولت گوتم بدھ تاریخ کے اوراق سے نکل کر ہمارے سامنے جلوہ گر ہیں۔

افسانے میں نہ صرف کرداری خصوصیات بلکہ گوتم کی تعلیمات کا واضح تذکرہ بھی ملتا ہے جن کو مصنف نے یوں بیان کیا ہے کہ:

> "سدھارتھ نے دنیا تیاگ دی تھی۔ کئی برسوں تک وہ سنیاسی کی طرح گھومتے رہے۔ اس کے بعد انھیں محسوس ہوا کہ انھیں علم حقیقی حاصل ہو گیا ہے۔ ان کا قول تھا اس دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ اور اس کی وجہ دنیاوی چیزوں کی ترشنا ہے۔ ترشنا سے انسان کی نجات اشٹانگ مارگ پر عمل پیرا ہونے سے ہو سکتی ہے۔"(۲۶)

مرکزی کردار واحد متکلم ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے گھر سے نکل پڑتا ہے۔ کپل وستو سے نکلنے کے بعد گلیوں گلیوں، سڑکوں سڑکوں بھٹکنے لگا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا جسم پاک ہو گیا ہے لہذا وہ اس سفر کو جاری رکھنے میں مشغول رہا۔ گوتم بدھا کی تعلیمات کے مطابق نروان اور گیان کی مشقت انسان کو دوبارہ جنم لینے کی صعوبت سے چھٹکارا دلاتی ہے۔ اس حوالے سے مظہر الدین صدیقی اپنی تصنیف "اسلام اور مذاہب عالم" میں لکھتے ہیں کہ:

> "نروان کس حالت کا نام ہے؟ اس پر بدھ مت کے علما میں اتفاق رائے نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کرما یا پیدائش کے لامتناہی سلسلے کا اختتام ہے۔"(۲۷)

متکلم گوتم بدھ کی اسی تعلیم پر عمل پیرا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اسے راست بازی اور صالح عمل کی جانب اپنے قدم کو بڑھاتے رہنا چاہیے تاکہ پنر جنم کے برے اعمال کے اثرات ختم ہو جائیں۔ روح پاک ہو سکے اور نجات کامل کا حصول ممکن ہو تاکہ دوبارہ جنم لینے سے چھٹکارا مل سکے۔

مہاتما بدھ نے رات کی تاریکی میں بیوی اور بچے کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور اس معاشرتی بندھن کو ایک لمحے میں توڑ دیا جو زوجین کو ایک مقدس رشتہ میں منسلک کرتا ہے افسانے کا مرکزی کردار یعنی متکلم گوتم کی اسی تعلیم پر عمل کرتا ہے گوتم کی طرح رات کو اپنی بیوی نزہت اور نوسالہ بیٹی صبا کو سوتا چھوڑ جاتا ہے اور بھکشو کی سی زندگی گزارنے لگتا ہے۔ بدھ مت تعلیمات کی رو سے بھکشو کے لیے عورت مرد کے فطری تعلق سے اجتناب ضروری ہے۔

دنیا دکھوں کا گھر ہے ان دکھوں کا سبب انسان کی لامحدود خواہشات ہیں اگر ان خواہشات کو کم کیا جائے اور اشٹانگ مارگ یعنی درمیانی راستہ اپنایا جائے تو ان دکھوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ متکلم انہی دکھوں سے تنگ آکر نروان کی تلاش میں اپنے علاقے کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔ ان تعلیمات کے پیش نظر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ افسانہ تاریخ بطور افسانہ کی اہم کڑی ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کا عمل صدیوں پرانا ہے۔ لہٰذا ادیب اس عمل کو سرانجام دینے کے لیے مختلف صورتوں سے گزرتے ہیں۔ اس حوالے سے اگر اس افسانے کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عشرت ظہیر نے تاریخ کو افسانے بناتے وقت تاریخی کرداری حقائق کو بیان کرنے کے لیے انسانی فطرت کی مختلف کیفیات کی تصویر کشی کی ہے۔ متکلم افسانے میں موجود گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہو پاتا۔ پختہ ارادہ کر کے جنگل کی جانب چل تو پڑتا ہے مگر اسے گھر والوں کی یاد ستانے لگتی ہے۔ پہلی بار جب پیپل کی گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر سوچتا ہے کہ اسے اب خدا سے لو لگانی چاہیے اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ گوتم کی طرح آنکھیں موند لیتا ہے اور اپنے اندر اترنے لگتا ہے مگر پہلی ہی ڈبکی اسے کمزور کر دیتی ہے کیوں کہ اس کے سامنے اس کا دوست عمران مخصوص مسکراہٹ کا جال لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے ہمکلام ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"مجھے معاف کر دو میرے دوست! میں نے اپنی زندگی کے بہاؤ کا رخ موڑ دیا۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مجھے تنہا چھوڑ دو۔"(۲۸)

دوسری دفعہ جب واحد متکلم اللہ کا نام لے کر اپنے اندر اترنے کی کاوش کرتا ہے تو اس کا دل و دماغ اپنی بیوی نزہت کی جانب مائل ہو جاتا ہے جو کہ بیٹی صبا کا ہاتھ تھامے ناامید اور بد نصیبی کی داستان بنی کھڑی تھی۔ بیوی کی سوچ نے واحد متکلم کے قدم ڈگمگا دیئے اور وہ سوچنے لگا کہ وہ واپس لوٹ جائے مگر پیپل کی ٹھنڈی اور پرسکون چھاؤں نے اسے جانے سے روک دیا اور اس دن خود میں اترنے کی تمام کاوشیں ناکام ہو گئیں۔ اگلے دن واحد متکلم نے محسوس کیا کہ وہ سب یادیں بھول گیا ہے اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں، وہ

اکیلا ہے لہذا اس نے اللہ کا نام لیا جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے اور تیسری بار اپنے آپ میں اترنے کی سعی کی اس بار اس نے محسوس کیا وہ بے حد کمزور ہو گیا۔ دراصل وہ اس بات سے ڈر رہا تھا کہ اس کے دل کے گوشے میں پھر کوئی چھپا بیٹھا نہ ہو۔ اس بار اسے نزہت کے چہرے پر بہت سی لکیریں دکھائی دی۔ مثلاً قید تنہائی کی لکیر، بیٹی صبا کی پرورش، تعلیم اور شادی کی فکر کی لکیر اور ان میں سب سے گہری لکیر جو صبا کے گھر سے بھاگ جانے کی تھی۔ واحد متکلم ان تمام لکیروں کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ اپنے جسم کا سارا زہر اپنی بیوی نزہت کے جسم میں محلول کر آیا ہے اپنی تمام پریشانیاں نزہت کو دے کر سب کچھ تیاگ آیا ہوں۔ اب نزہت اس زہر کو صبا کے جسم میں محلول نہ کرے۔ ان کیفیات کے پیش نظر واحد متکلم ناکام و نامراد کپل وستو لوٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور کپل وستو لوٹتے سمے سوچتا ہے کہ "نزہت، صبا، جسم کا زہر اور نروان۔"(۲۹)

یہ افسانہ صیغہ واحد متکلم میں بیان کیا گیا ہے اور واحد متکلم آغاز سے اختتام تک گوناگوں ذہنی کیفیات کے باعث ریاضت میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ بدھ مت خدا کے بغیر کا مذہب ہے مگر افسانے میں واحد متکلم خود میں اترنے سے پہلے اللہ کے پاک نام سے آغاز کرتا ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ عشرت ظہیر نے افسانے میں اسلام کے پیروکار کو گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل پیرا دکھایا ہے۔ واحد متکلم رہبانیت کے رستے پر چلتا ہے مگر گھر بار کی فکریں اور سوچیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ پیپل کی چھاؤں کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور افسانہ "کپل وستو کا شہزادہ" ہے جو کہ اے خیام کی تخلیق ہے اور یہ ان کے افسانوی مجموعے کپل وستو کا شہزادہ میں شامل ہے یہ مجموعہ کل پندرہ افسانوں اور تین مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کی اشاعت ۱۹۹۳ء میں منظر پبلی کیشن کراچی سے ہوئی۔ اے خیام بطور افسانہ نگار، نقاد اور پبلیشر نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کا بچپن جس شہر میں گزرا وہ بدھ مت کے ماننے والوں کے لیے مقدس مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس افسانے کا شمار ان افسانوں میں ہوتا ہے جن میں گوتم بدھ سے اثر پذیر کردار شامل ہیں۔ مصنف نے بے نام کردار کو پیش کیا ہے اور یہ بے نام کردار گوتم بدھ سے متاثر دکھائی دیتا ہے اس کردار کے اندر گوتم بدھ والی روحانی خصوصیات موجود ہیں جن کا افسانے میں واضح تذکرہ ہے۔ مثلاً

اس کا تعلق بھی کپل وستو سے ہے جس کو وہ چھوڑ آتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ منزل اسے اپنی جانب بلا رہی ہے۔ اور گوتم بدھ کی طرح یہ کردار بھی بے چین اور بے بسی کا شکار ہے۔ بے چینی کے عالم

میں ٹہلتے ٹہلتے اس کے پاؤں سوج جاتے ہیں۔ اس کے اندر پورے عہد کا کرب موجود ہے۔ جو اس کو راتوں میں جگائے رکھتا ہے۔

بدھا کی طرح وہ گیان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں۔ مجھے گیان ہو جائے کہ جینا کیا ہے۔"(۳۰)

بس فرق صرف اتنا ہے کہ بدھا لوگوں کو دکھوں سے نجات دلانے کے لیے گیان حاصل کرتا ہے۔ مگر زیر نظر افسانے کا بے نام کردار زندگی کو سمجھنے کے لیے گیان کا طلب گار ہے جس کے لئے وہ مستقل تپسیا کر رہا ہے۔

یہ افسانہ صیغہ واحد متکلم میں بیان کیا گیا ہے۔ راوی نے ایک بے نام کردار کی کہانی کو افسانے میں پرویا ہے یہ کردار راوی کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہ رہا ہے مگر راوی اسے جانتا نہیں کیوں کہ وہ ایک ایسا معمہ ہے جو راوی سے حل نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت پوشیدہ ہے۔ اس کی حرکات اور عادات دیکھ کر راوی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسی کا عکس ہے۔ نادانستگی میں راوی سے بھی وہی حرکات سرزد ہوتی ہیں جو اس بے نام کردار کا خاصا ہیں۔ راوی اسے اکثر رات کے اندھیرے میں تکیے میں منہ چھپا کر روتے سنتا ہے اسے روتے دیکھ کر راوی کا بھی دل کرتا ہے کہ وہ بھی بلاوجہ دھاڑیں مار کر رو پڑے لہذا ان وجوہات کی بنا پر راوی اسے خود سے الگ خیال نہیں کرتا راوی سوچتا ہے کہ وہ بے نام نہیں ہے بلکہ اس کا وہی نام ہے جو میرا ہے۔ وہ بے نام کردار راوی سے باتیں کرتے کرتے ایک دم خیالوں میں گم ہو جاتا ہے اس کی اس صورت حال کو دیکھ کر راوی سوچتا ہے کہ

"وہ گوتم بدھ ہے اور جیسے اس نے اپنے آپ کو جان لیا تو سارے سنسار کا کلیان ہو جائے گا۔"(۳۱)

راوی اور بے نام کردار اکثر سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہیں۔ دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک بار راوی اس کے کنفیوز چہرے کو دیکھ کر پوچھتا ہے کہ تم کنفیوز کیوں ہو؟ جو کچھ کہتے ہو اسے بعد میں خود ہی رد کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں وہ بے تحاشہ ہنسا اور بولا۔

"کیا تم سمجھتے ہو تمھاری وہی کیفیت نہیں ہے۔ جو میری ہے۔۔۔ کیا تم سے وہی سب کچھ سرزد ہو رہا ہے۔ جو تمھاری حیات کا مقصد ہے۔۔۔ جینا اس کو نہیں کہتے میری جان

---اور میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کا گیان ہو جائے کہ جینا کیا ہے---؟
(۳۲)"

وہ زندگی اور اس کی حقیقت کو جاننے کے لیے مسلسل سر گرداں ہے۔ مگر اس کی راہ میں ایک دیوار حائل ہے۔ جو اسے اس کی منزل تک نہیں پہنچنے دیتی۔

اے خیام نے تاریخی کردار گوتم بدھ کی روحانی خصوصیات سے متاثر ہو کر کہانی میں ایک ایسے کردار کو پیش کیا ہے جو گیان حاصل کرنے میں پوری حیات گزار دیتا ہے مگر اس کی راہ میں رکاوٹوں کی دیوار اسے اس کی منزل تک نہیں پہنچنے دیتی۔ آخر میں وہ نہ نظر آنے والی دیوار کے ساتھ سر ٹکرا کر غش کھا کر اوندھے منہ نیچے گر جاتا ہے۔ اس بے نام کردار کی پیش کش میں مصنف نے تخیل کا سہارا لیا ہے۔ تخیل کے بل بوتے پر بے نام کردار کو پیش کر کے گوتم بدھ کی روحانی خصوصیات کو قاری تک پہنچایا ہے۔

مصنف نے کہانی کو بیان کرتے وقت ترتیب کا خاص خیال رکھا ہے۔ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب برتا ہے۔ افسانہ سادہ اور آسان الفاظ میں بیان کیا گیا۔ مصنف کے بیان کردہ مکالمات موقع محل کی مناسبت سے ہیں۔ مصنف نے ایسا اسلوب بیان اختیار کیا ہے کہ جس میں کم سے کم الفاظ میں بڑی اور ضروری بات کہی گئی ہے۔ کردار نگاری کی بات کی جائے تو مصنف نے افسانے میں صرف ایک بے نام کردار کو پیش کیا ہے۔ جسے مصنف اپنی ذات ہی مانتا ہے۔

افسانے کا عنوان پر کشش اور کہانی کے عین مطابق ہے۔ افسانے کا انجام قاری کو غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ مصنف نے کہانی کا نقشہ اس طرح سے کھینچا ہے کہ پورا منظر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ قاری کو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کہانی میں خود موجود ہے۔ افسانے کو بیان کرتے وقت مصنف نے چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کیا ہے اور واقعات مختصر تخیل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ زندگی اور افکار، آزاد انٹر پرائزر، ۱۹۴۲ء، ص ۲۴

۲۔ وسیم حیدر ہاشمی، مریخ کا سفر، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، دسمبر ۲۰۱۰، ص ۱۳۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۴۔ اے حمید، خزاں کا گیت، مکتبہ اردو لاہور، جولائی ۱۹۵۱، ص ۱۷

۵۔ ایضاً، ص ۲۳۔۲۴

۶۔ عادل زمان خان، ایک راج کمار ایک مہاتما گوتم بدھ، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، جنوری ۲۰۲۲، ص ۳۱۴

۷۔ مشتاق مومن، رت جگوں کا زوال، نیو رائٹرس پبلی کیشنز، بمبئے، دسمبر ۱۹۸۴، ص ۵۹

۸۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ناشر: نزہت سمیع الزمان، دانش محل، امین آباد، لکھنو، ۱۹۸۵، ص ۹

۹۔ کرشن کمار، خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، آصف جاوید نگارشات پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۴۵

۱۰۔ منمتھ ناتھ دت، شری کرشن، گوتم بدھ اور دوسرے رہنما، نارائن پرشاد ورما مہر، اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳، ص ۱۶۵

۱۱۔ مشتاق مومن، رت جگوں کا زوال، ص ۵۷

۱۲۔ عبد القادر سرور، اصول افسانہ نگاری، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹، ص ۴۲

۱۳۔ صدیق عالم، مرے ہوے آدمی کی لالٹین، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹، ص ۸۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۸۴

۱۵۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص ۹

۱۶۔ صدیق عالم، مرے ہوے آدمی کی لالٹین، ص ۸۶

۱۷۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص ۹

۱۸۔ عبد السمیع، مرتبہ، شہر شہر آوارگی، ۲۰۱۲، ص ۳۱۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۲۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۲۷

۲۱۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص ۲۵۲

۲۲۔ ابن کنول، ڈاکٹر، بند راستے، ہم قلم پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۰، ص ۸۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۸۴

۲۴۔ عادل زمان خان، ایک راج کمار ایک مہاتما گوتم بدھ، ص ۲۴۳۔ ۲۴۴

۲۵۔ عشرت ظہیر، ابھرتی ڈوبتی لہریں، شبستان ادب، گیا، اکتوبر، ۱۹۷۹، ص ۲۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۲۷۔ مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲، ص ۲۷

۲۸۔ عشرت ظہیر، ابھرتی ڈوبتی لہریں، ص ۲۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۹

۳۰۔ اے خیام، کپل وستو کا شہزادہ، منظر پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۳، ص ۳۰

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۰

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۰

باب سوم:

اردو افسانے پر گوتم بدھ کے افکار کے اثرات کا مطالعہ

گوتم بدھ نے فلسفی یا مصلح کی حیثیت سے اپنی تعلیمات پیش کیں جن میں انسان دوستی اور اخلاقیات کے پہلو نمایاں ہیں، یہی اخلاقی تعلیمات اور گوتم کا بھکشو کی سی زندگی گزارنے کا ڈھنگ اردو افسانے میں نمایاں ہوا۔

(الف): اخلاقی افکار

گوتم بدھ کی تعلیمات کا دارومدار اخلاقیات پر ہے اور یہ اخلاقی تعلیمات اعلیٰ سطح کی ہیں اسی وجہ سے افسانہ نگاروں نے ان تعلیمات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی۔ اشٹانگ مارگ یعنی ہشت جزوی راستہ ایک جانب نروان کے حصول کا ضامن ہے تو دوسری طرف اس کا دائرہ اثر علم وعقیدے کی حدود سے آزاد ہو کر کردار کی ساخت تک جا پہنچتا ہے۔ گوتم بدھ کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات میں محبت، قناعت، دکھاوے اور تعصب سے پرہیز وغیرہ اہم ہیں۔

ا۔ محبت

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد محبت پر استوار ہے۔ وہ نفرت کو محبت سے ختم کرنے کا درس دیتے ہیں ۔ان کے نزدیک نفرت کو نفرت سے ختم کرنا جہالت اور خون ریزی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ محبت اور ضبط نفس کی بدولت انسان محفوظ خزانہ حاصل کر سکتا ہے یہ ایسا خزانہ ہے جسے کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ عقل مندوں کو محبت کی راہ پر چل کر نیکی تک رسائی حاصل کرنی چاہئے کہ یہی وہ قیمتی خزانہ ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ گوتم بدھ خود بھی محبت کا پیکر تھے اور اپنے واعظوں میں دوسروں کو بھی اس کا درس دیتے تھے۔ افسانہ نگاروں نے گوتم کی اسی تعلیم کو اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے اس سلسلے کے اہم افسانوں میں انتظار حسین کا "نرناری" اور احمد رشید کا "بن باس کے بعد" شامل ہیں۔

"نرناری" انتظار حسین کے ان افسانوں میں سے ایک ہے کہ جن میں گوتم بدھ کے اخلاقی افکار پوشیدہ ہیں۔ انتظار حسین صرف ایک شخصیت نہ تھے بلکہ چلتا پھرتا عہد تھے۔ انھوں نے فکشن نگاری کا آغاز بٹوارے کے ساتھ ہی کیا۔ ان کی تحریروں کی نہ صرف حمایت بلکہ مخالفت بھی ہوئی مگر انھوں نے مخالفت کے باوجود جم کر لکھا۔ انتظار حسین کو استعاراتی اور علامتی افسانے لکھنے میں مہارت

حاصل تھی۔انھوں نے علامتوں کا استعمال نئے ڈھنگ سے کیا۔افسانہ نرناری علامتی افسانہ ہے۔

یہ افسانہ گوتم بدھ کی تعلیمات کے حوالے سے اہم ہے۔اس میں دکھ اور محبت کے ملے جلے احساسات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔اس کا بنیادی موضوع انسان کی پہچان ہے اوراس موضوع کی پیشکش میں تین کردار مدن سندری،دھاول اور گوپی نمایاں ہیں۔مدن سندری اوردھاول پوری کہانی میں کشمکش اوردکھوں کا شکار نظر آتے ہیں۔ دھڑ کی تبدیلی دونوں کو دکھی کر دیتی ہے۔دھاول اپنے دھڑ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ میری پہچان کیا ہے۔سر تو میرا ہے مگر دھڑ مدن سندری کے بھیا گوپی کا سر دھڑ کے گھپلے کے بعد میں ادھورا ہو گیا ہوں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ میں ہوں ہی نہیں۔ مصنف نے اس کے دکھ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"وہ دکھ سے بولا،سندری،سر دھڑ کے گھپلے کے بعد میں رہ ہی کتنا گیا ہوں۔ لگتا ہے کہ میں ہوں ہی نہیں۔"(۱)

دراصل انتظار حسین چونکہ خود بٹوارے اور ہجرت کے غم سے دوچار ہو چکے تھے۔انھیں اپنی جڑوں سے اکھڑ جانے اوراپنی شناخت کھو جانے کے کرب کا احساس تھا اسی لیے ان کے افسانوں میں ہجرت ،فسادات ،دکھ،شخصیت کی پہچان وغیرہ جیسے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔زیر نظر افسانہ بھی ہجرت کے پس منظر میں لکھا گیا۔اس افسانے میں شخصیت کی شناخت کو اپنی زمین اور ثقافت سے کٹ کر نئی زمین اور نئی ثقافت سے جڑنے کا استعارہ بنایا گیا ہے۔ دھاول ایک ایسا کردار ہے جس کا دھڑ تبدیل ہو گیا ہے یعنی دھاول کردار اپنی زمین سے کٹ چکا ہے اور نئی زمین اس کے لیے دکھوں کا باعث بن جاتی ہے۔اپنی جڑوں سے کٹ جانے کا دکھ اس کو اندر ہی اندر کھوکھلا کیے جا رہا ہے۔ وہ جب اپنے نئے دھڑ یعنی نئی زمین کو دیکھتا ہے تو اس کا دکھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کی آڑ میں رنگارنگ دنیا اور ہنستی بستی پوری کائنات کو چھوڑ آیا ہے۔ اِس کے اِس احساس کو انتظار حسین نے افسانے میں یوں بیان کیا ہے کہ:

"اسے احساس ہوا کہ گردن سے نیچے تو بہت کچھ تھا۔ایک رنگارنگ دنیا ایک پوری کائنات کہ اس کے پاس سے نکل گئی کتنا کچھ تھا کہ کھویا گیا۔"(۲)

نہ صرف دھاول بلکہ اس کی پتنی مدن سندری بھی دھڑ کی تبدیلی کو دل سے قبول نہیں کر پاتی۔ دونوں اس تبدیلی سے ناخوش نظر آتے ہیں۔ دھاول تو اس اجنبی دھڑ سے اس درجہ بے زار تھا کہ اس کے من میں آتا کہ اس پورے دھڑ کو اپنے آپ سے توڑ کر الگ کر دے مگر وہ مجبور تھا کیوں کہ دھڑ تو اسکے سر کے ساتھ جڑ چکا تھا مگر پھر بھی اسے محسوس ہوتا تھا کہ سر اور دھڑ الگ الگ پڑے ہوئے ہیں۔ جب سے نیا دھڑ اس کے سر سے جڑا تھا تب سے اس کے دل میں دکھوں اور احساس اجنبیت نے ڈیرا جما لیا تھا۔

افسانے میں دونوں کرداروں یعنی مدن سندری اور اس کے پتی دھاول کی ہجرت کے دکھ کو سر دھڑ کی کشمکش کے ذریعے سے عیاں کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔ دکھ انسانی زندگی کا جز ہیں۔ انہی دکھوں کو کم کرنے کے لیے مہاتما بدھ نے کڑی تپسیا کی تھی۔ امولیہ رنجن مہاپترا اپنی تصنیف فلسفہء مذاہب میں لکھتے ہیں کہ

"بدھ دنیا کو دکھ اور تکلیف سے بھرپور خیال کرتا ہے۔۔۔اس کا پہلا اعلیٰ ترین سچ یہ ہے کہ دکھ موجود ہے۔"(۳)

افسانے میں گوتم بدھ کی یہی تعلیم کارفرماں دکھائی دیتی ہے۔

اس کے علاوہ رشتوں میں محبت کا درس بھی افسانے میں موجود ہے۔ اس حوالے سے مدن سندری کا کردار قابل ذکر ہے عورت کی محبت چاہے وہ کسی بھی روپ میں ہو لازوال ہوتی ہے۔ افسانہ نگار نے ایسی ہی لازوال محبت کی کہانی کو افسانے میں پیش کیا ہے۔ مدن سندری بیک وقت دو مردوں سے محبت کرتی ہے ان میں سے ایک اس کا پتی دھاول جبکہ دوسرا بھیا گوپی ہے۔ دونوں دیوی کی مورتی کے سامنے خون میں لت پت پڑے دکھائی دیتے ہیں۔ مدن سندری دونوں کے سر الگ دھڑ الگ دیکھتی ہے تو اس کی سدھ بدھ کھو جاتی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اپنا من پیٹنے اور نوچنے لگتی ہے کہ اس کی نظر خون لگی تلوار پر پڑتی ہے۔ تلوار دیکھ کر اس کے من میں خیال آتا ہے کہ پتی اور بھیا کے بغیر اب جی کر کیا کرنا یہی سوچ کر تلوار اٹھا کر اپنی گردن پر رکھ لیتی ہے۔ اس کی سچی محبت کو دیکھ کر دیوی کی مورتی سے آواز آئی کہ

"ناری کھانڈا پھینک دے تو سچی استری اور پکی بہن نکلی میں تجھ سے پرسن ہوئی سو
میں نے تیرے پتی اور بھیا کو جی دان دیا۔"(۴)

ایک عورت کی محبت دیکھ کر دیوی بھی اس کے پتی اور بھیا کو جی دان دیتی ہے۔ مدن سندری میں نہ صرف محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے بلکہ رشتوں کا احترام بھی اس کی رگ رگ میں موجود ہے۔ سر اور دھڑ کی تبدیلی کے بعد وہ پتی کے پاس صرف اس وجہ سے جانے میں عار محسوس کرتی ہے کیوں کہ اس کے پتی کا دھڑ اس کے پتی کا نہیں بلکہ بھیا کا ہے اور بھیا کے دھڑ کی قربت اس کو گوارا نہیں۔ مصنف نے اس کہانی کی بدولت عورت کی لازوال محبت اور رشتوں کے احترام کا درس دیا ہے۔ دیکھا جائے تو گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کی سب سے بنیادی اور اہم صفت صرف محبت سے تشکیل پاتی ہے۔ وہ نفرت کی ڈور کو نفرت کی قینچی سے کاٹنے کی بجائے محبت سے کاٹنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اپنے واعظوں اور خطبات میں جابجا محبت اور ضبط نفس کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک:

" مہر و مروت 'نیکی' ضبط نفس اور اپنے اوپر قابو کر کے، مرد اور عورت یکساں طور پر ایک عمدہ اور محفوظ خزانہ حاصل کر سکتے ہیں، یہ ایک ایسا خزانہ ہے جو دوسروں کو نہیں دیا جا سکتا اور جس کو ڈاکو لوٹ نہیں سکتے، 'ایک عقلمند انسان کو نیکی کرنی چاہیئے' یہی وہ خزانہ ہے جو کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا"۔(۵)

گوتم کا یہی اخلاقی تصور افسانے کی بنیاد ہے۔ رشتوں کی بنیاد محبت پر استوار ہے اگر یہی محبت رشتوں سے ختم ہو جائے تو دنیا کا سماجی نظام مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ محبت ایسا ہتھیار ہے جس کی بدولت دشمن کو بھی زیر کیا جا سکتا ہے۔ محبت فطری جذبہ ہے جس کی بدولت انسان کی حیات مکمل طریقے سے ابتداء تا انتہا بسر ہوتی ہے۔

مصنف نے تاریخی دور کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے دماغ سوزی کرنے کی بجائے تاریخی حقائق کو رومان انگیز انداز میں سامنے لایا ہے جس سے کہانی میں دل چسپی کا عنصر در آیا ہے۔ مصنف نے کہانی کے اندر طلسماتی ذیلی کہانی کا تذکرہ کیا ہے جس میں ایک راجکماری راکشس کی قید میں ہے اور راکشس ہر صبح راجکماری کا سر اور دھڑ الگ کر کے کھونٹی پر لٹکا دیتا۔ شام واپس آ کر سر دھڑ واپس جوڑ دیتا جس سے راجکماری جی اٹھتی۔ اس ذیلی کہانی کی بدولت افسانے کو مزید واضح کیا گیا ہے۔ انتظار حسین کا افسانوی ادب طلسمی حقیقت نگاری

کے لحاظ سے خاصا اہم سمجھا جاتا ہے۔ وہ حقیقت نگاری کی سیدھی سادی لکیر اپنانے کی بجائے اسے کہانیوں میں داستانوی، اساطیری، دیومالائی اور علامتی واستعاراتی انداز میں بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

نر اور ناری افسانے میں جذبات اور احساسات کی فراوانی ہے اور یہ بات مصنف نے استعاراتی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ پتی اور بھائی کا عورت کی زندگی میں الگ الگ مقام اور اہمیت ہے۔ عورت پتی کی جگہ بھائی کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ حتی کہ رات کی تاریکی میں بھی وہ پتی کے دھڑ کو پہچانتی ہے۔ مصنف نے نر اور ناری کا تصور واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ دنیا کی تخلیق کے آغاز میں جب تہذیب وجود میں نہ آئی تھی تب انسان صرف نر اور مادہ کی حیثیت سے رہتے تھے مگر تہذیب کے وجود میں آتے ہی انسان کو انسان کے مقام اور رتبے کی پہچان ہوئی۔ اسی پہچان نے رشتوں کو وجود میں لایا۔ رشتوں کے وجود میں آتے ہی حدود و قیود کے احساس نے جنم لیا اور اسی احساس نے بھائی اور خاوند کے درمیان فرق کو واضح کر کے شرم وحیا کے جذبے کو ابھارا۔

اسی طرح "بن باس کے بعد" احمد رشید کا افسانہ ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے کھوکھلی گگر میں شامل ہے یہ مجموعہ ۲۰۱۹ء میں ایجوکیشنل پبلی کیشن ہاؤس، دہلی سے منظر عام پر آیا۔ اس کا آغاز محمد غالب نشتر کے مضمون "نئی علامت نگاری اور احمد رشید کے افسانے" سے ہوتا ہے۔ اس میں کل تیرہ افسانے ہیں۔ آخر میں احمد رشید کے فن کے حوالے سے مشاہیر کی آراء درج ہیں۔ احمد رشید نے اپنے افسانوں میں تقریباً تمام بڑے موضوعات مثلاً انسانیت کی بے مروتی، عدم مساوات، سیاسی کشمکش کا عالمی منظر نامہ، عورتوں کا استحصال، دنیا کی بے ثباتی، ظلم و تشدد، فسادات، مفلسی وغیرہ کو برتا ہے۔

محبت کے جذبے سے معطر اس کہانی کی بنیاد ان اثرات پر رکھی گئی ہے جو انسان کی زندگی پر فسادات کے بعد نمایاں ہوتے ہیں اس حوالے سے مصنف نے دو کردار جانکی اور راگھویندر کو پیش کیا ہے جن کی محبت لازوال ہے۔ جانکی ہیروئن جبکہ راگھویندر ہیرو ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھے ہوئے ہیں۔ پوری کہانی انہی دو کرداروں کے گرد بنی گئی ہے۔ جانکی چودہ دنوں تک فسادات میں گری رہنے کے بعد جب اپنے گھر واپس لوٹتی ہے تو اسے اپنی پاک دامنی ثابت کرنے کے لئے اگنی پریکشا سے گزرنا پڑتا ہے۔

"پنچ پر میشور کے فیصلے کے مطابق جانکی کو پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے اگنی پریکشا دینی ہو گی۔"(۶)

بھری سبھا میں یہ فیصلہ سننے کے بعد وہ سوچتی ہے۔ کہ

"مردوں نے عورت کو جنم ہی سے دھورو کیڑا میں ہارا ہوا دھن کی طرح استعمال کیا ہے لیکن میرا مرد، میرا دیوتا، میرا راگھویندر گوتم رشی کیوں نہ ہوا۔ جس کے شاپ سے اہلیا کی طرح میں یہاں آنے سے پہلے پتھر کی طرح ہو جاتی پھر میں بھگوان کی طرح نہ بولتی، نہ سنتی، نہ محسوس کرتی اور نہ روتی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔"(۷)

راگھویندر اس پریکشا کے بارے میں سوچتا ہے کہ جانکی اگر کامیاب نہ ہوئی تو میرا کیا ہو گا؟ اسے اپنی زندگی میں اندھیرا دکھائی دینے لگا ایسا اندھیرا کہ جس میں ہر شے صفر دکھائی دیتی ہے۔ لہذا وہ سوچنے لگا کہ

"گوتم بدھا کو گرہست سنسار تیاگ کرنے پر روشنی پرپت ہوئی تھی، مگر مجھے جیون تیاگ کرنے پر اندھیرا؟"(۸)

اگنی پریکشا میں وہ کامیاب ہو جاتی ہے مگر پھر بھی مردوں کے طنز و تعریض کا شکار ہوتی ہے۔ دراصل مصنف نے یہ سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ مرد ہی عورت کی زندگی برباد کرتا ہے اور منصف بھی وہی بنتا ہے۔ عورت معصوم اور بے گناہ ہونے کے باوجود مرد کے طنز و تعریض کا تازیانہ بنتی ہے۔

ہیروئن جانکی کی عصمت محفوظ ہونے کے باوجود اسے اگنی پریکشا دینی پڑی جس میں کامیاب ہونے کے بعد بھی بدنامی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ دیکھا جائے تو بظاہر یہ کہانی جانکی اور رگھویندر کے گرد بنی گئی ہے مگر اس کے بین السطور سیتا اور رام کی کہانی پوشیدہ ہے۔ رام جی ہندوؤں کے دیوتا تھے جو کہ چودہ دن کا بن باس کرنے کے بعد واپس آئے۔ اس دوران سیتا کو راون نامی شخص اٹھالے جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے چودہ دن گھر سے دور رہنے پر اگنی پریکشا دینی پڑی تھی۔

پریکشا میں کامیابی کے باوجود اگنی پریکشا کا سلسلہ آگے بڑھتا جاتا ہے اور ایک منظر سامنے آتا ہے۔ جس میں ایک دھوبی اپنی گھر والی کو ایک دن گھر سے غائب ہونے پر مارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں رام نہیں جو بیوی کو غائب رہنے کے بعد گھر میں رکھ لو۔ اس منظر کو دیکھ کر رام اپنی بیوی سیتا کو جنگل میں بھیج دیتے ہیں۔ رام جی دیوتا ہونے کے باوجود انسانوں کے مظالم سماج میں مجبور دیکھائی دیتے ہیں اور اپنی بے گناہ بیوی سیتا کے حق میں نہ بول سکے۔ مگر افسانے کا ہیرو راگھویندر فرسودہ روایات کو توڑ کر اپنی بیوی کو گلے سے لگا لیتا ہے۔ اس

کے لئے اس کی بیوی کی زندگی سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے اور پنجرے میں قید طوطے کو رہا کر دیتا ہے۔ کہانی میں طوطے کے کردار کو ان فرسودہ روایتوں کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ جن پر انسان آنکھیں بند کر کے عمل کرتا ہے۔

اس کہانی میں ماورائی اساطیری فضابندی بڑے ہی دل کش انداز میں کی گئی ہے۔ مصنف نے اسلامی اساطیر اور ہندو متھ کی معنویت کو موجودہ صورت حال کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ یہ کہانی تاریخ سے افسانہ بنانے کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ ہمارے ادیب تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے مختلف صورتیں اپناتے ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر نزہت سمیع الزمان لکھتی ہیں کہ

> "بھگوان گڈوانی۔۔۔ کو ایک غیر جانب دار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن تھی۔ انھوں نے اپنی تلاش و جستجو سے جو حقائق معلوم کئے ان کو عوام تک پہنچانے کے لئے تاریخی ناول کا سہارا لیا۔"(۹)

مصنف نے اسی روِش کو اپنایا ہے۔ احمد رشید نے اس کہانی میں علامات نگاری اور استعاراتی اسلوب کے ذریعے سے فسادات کے بعد کے اثرات کو تخلیقی انداز میں بیان کیا ہے ان کا بنیادی وصف یہی انداز بیان ہے جو کہ انھیں ہم عصر تخلیق کاروں میں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

۲۔ قناعت

تھوڑی سی چیز پر رضامندی یا جو کچھ مل جائے اس پر صبر کر لینا قناعت ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق انسان کے اندر لالچ و حرص کا مادہ موجود ہے جو اسے مزید سے مزید تر کی خواہش میں مبتلا رکھتا ہے یہی خواہشات انسانی دکھوں میں اضافے کا باعث بنتی ہیں ان خواہشات پر ہشت پہلو راستے پر چل کر ہی قابو پایا جا سکتا ہے ان میں سے ایک قناعت ہے جس پر عمل کر کے زندگی کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔ گوتم بدھ کی یہی تعلیمات اردو افسانے کی زینت بنی، اس حوالے سے نمائندہ افسانہ "بلی کا بچہ" ہے جسے شوکت حیات نے تخلیق کیا جو کہ ان کے افسانوی مجموعے "گنبد کے کبوتر" میں شامل ہے، یہ مجموعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں کل پچیس افسانے اور چار مضامین شامل ہیں۔ آخر میں شوکت حیات کے بارے میں اہم آراء درج ہیں۔

بلی کا بچہ گوتم بدھ کے فلسفہ حیات کے حصار میں خدا کی ہستی سے انکار پر مضمر پر اسرار کہانی ہے۔ ایک گھر جس میں بیٹا، بہو بچے اور دادی رہائش پذیر ہیں۔ دادا مولوی برہان الدین عالم تھے ان کا انتقال پہلے ہی ہو چکا ہے۔ دوسروں کی تکالیف دور کرنا اور تعویز گنڈوں سے لوگوں کی مدد کرنا ان کا شوق تھا۔ وہ تقسیم ملک کے خلاف چیخ چیخ کر احتجاج کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کو گھر سے زیادہ باہر کی سرگرمیوں میں دل چسپی تھی۔ دادی کو ان کے ساتھ ایک پر اسرار بلا تنہائی میں دکھائی دیتا تھا جو کہ ان کا منہ چومتا۔ اس سے مولوی صاحب سرگوشیاں کرتے تھے۔ دادی نہ صرف اس بلے کو بلکہ دادا کو بھی نگوڑا اور نامراد کہا کرتیں۔ مولوی برہان الدین دوسروں کی مدد کرتے تھے مگر ان کی اپنی اولاد اور گھر کے دیگر مسائل ان کے قابو سے باہر تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے جن میں سے تین مختلف فلسفوں کو اپنا کر الگ ہو گئے تھے۔ صرف ایک ہی ان کا سہارا بنا۔ دادی نے اپنا بڑھاپا اسی کے ساتھ رہ کر قناعت کے ساتھ گزارا۔

> "ایک بیٹا مارکسواد کی گہری وادیوں میں اتر گیا۔ دوسرا چارواک کے کھلے وسیع و عریض میدان میں سانڈ بن کر گھومنے لگا۔ اور تیسرا گوتم بدھ کے فلسفہ حیات کے حصار میں خدا کی ہستی کا منکر ہو گیا۔ جادہ اعتدال پر چلنے والا بس یہی چوتھا بیٹا تھا۔۔۔ اوسط ذہن کا۔۔۔ ترقی کے راستے پر متوازن قدموں سے چلتا ہوا۔۔۔ جس کے ساتھ دادی اماں رہ رہی تھیں۔"(۱۰)

بدھ مت میں خدا کی ہستی کے حوالے سے واضح تعلیمات موجود نہیں۔ بدھ مت کے آغاز میں یعنی خالص ترین صورت میں خدا کے وجود کا تذکرہ یا گنجائش موجود نہ تھی۔ اس حوالے سے مظہر الدین صدیقی اپنی تصنیف اسلام اور مذاہب عالم میں لکھتے ہیں کہ

> "مہاتما بدھ کی تعلیم میں خدا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ خود گوتم بدھ نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے آپ کو صرف ایک رہنما کی حیثیت سے پیش کیا جو انسانوں کو راستہ بتانے پر مامور ہو، لیکن اس راستے پر چلنا اور منزلِ مقصود پر پہنچنا انسان کا اپنا کام ہے۔"(۱۱)

بدھ مت میں اعتقادات اور عبادات کا نظام موجود نہیں ہے۔ نماز، روزے اور دعاؤں کے حوالے سے اس میں تصور موجود نہیں اس کے علاوہ نجات و مغفرت اور جنت دوزخ یا سزا و جزا کی تعلیمات بھی موجود نہیں۔ اس مذہب کی بنیاد اخلاقیات اور نفس کشی پر استوار ہے۔ بدھ مت میں خدا کے وجود کی وضاحت نہیں

ملتی۔ مہاتما بدھ نے اپنی تعلیمات میں خدا کے وجود سے نہ ہی انکار کیا اور نہ ہی اقرار۔ بلکہ بدھ مت اس حوالے سے خاموش ہے مگر جب بدھ مت فرقوں میں بٹ گیا تو انھوں نے مہاتما بدھ کو خدا کا درجہ دیا۔

افسانے میں گوتم بدھ کی ایک اور تعلیم "دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں" کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے افسانے کے کردار دادا، دادی اور پاپا دکھوں میں نظر آتے ہیں۔ دادا مولوی برہان الدین کو نہ صرف بیٹے بلکہ بیٹیاں بھی چھوڑ کر آوارہ مزاج عاشقوں کے ساتھ چلی گئیں۔ تقسیم ملک، ہجرت، بچوں کی بے وفائی اور لوگوں کی باتوں نے انھیں اندر سے توڑ دیا تھا۔ ان کے لیے زندگی بوجھ بن گئی تھی۔ اسی طرح دادی کا کردار بھی دکھوں کا شکار نظر آتا ہے۔ شوہر کی وفات، بیٹوں کا اپنے مذہب کو چھوڑ کر منکر ہو جانا، بیٹیوں کا عاشقوں کے ساتھ فرار ہونا، بہو کے ستم کے جواب میں ضبط اور دبی ہوئی کراہیں، بڑھاپا اور آرتھرائٹس زدہ ٹخنے یہ سب دادی کے لیے نہایت تکلیف کا باعث رہا۔ اس کے علاوہ پاپا کا کردار بھی دفتری پریشانیوں، بچوں کے مستقبل کی فکروں، والدین کی وفات، بہن بھائیوں سے دوری اور یادداشت کے چلے جانے جیسے غموں میں مبتلا نظر آتا ہے۔ گھرانے کا ہر فرد مصیبتوں میں گرا دکھایا گیا ہے۔ مہاتما بدھ نے سارناتھ میں جو پہلا اُپدیش دیا اس میں دکھ کے حوالے سے بتایا کہ

> "دکھ کی حقیقت یہ ہے، جنم دکھ ہے۔ بڑھاپا دکھ ہے، بیماری دکھ ہے، اجل دکھ ہے، تمنائے دلی پر نہ آنے سے دکھ ہوتا ہے۔ عناصر خمسہ کے بندھنوں میں مقید رہنے سے دکھ ہوتا ہے۔"(۱۲)

مصنف نے افسانے کو تخلیق کرتے وقت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ اپنے تخیل کی بدولت مصنف نے پراسرا کہانی کو وجود بخشا۔ اس میں کرداروں اور واقعات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری ان کے سحر میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ گھر کے بچے پڑوس سے بلی کا ننھا سا بچہ لے کر آتے ہیں۔ یہاں پر مصنف نے کہانی کو نیا موڑ دیا ہے۔ دادی اور پاپا دونوں بلی کے بچے سے زچ ہوتے ہیں مگر بہو اور بچوں کی دل چسپی بلی کے بچے میں ہوتی ہے۔ بلی کا بچہ دادی سے زیادہ مانوس دکھائی دیتا ہے۔ دادی جب نماز کے لیے مصلے پر جاتی ہیں تو میاؤں میاؤں کرتا ان کے کاندھے پر چڑھ جاتا ہے۔ ایک دن بلی کا بچہ گھر سے غائب ہو گیا۔ دادی سمیت سب نے تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا۔ اسی اثنا میں دادی کے انتقال سے گھر کی رہی سہی رونق بھی جاتی رہی۔ دادی کے انتقال کے بعد فجر کی نماز سے قبل بلی کے بچے کی آواز فضا میں گونجی۔ گھر کے سب افراد بلی کے بچے کی میاؤں سن کر چونک پڑے۔ بلی کا بچہ چوکی پر چڑھ کر مڑے ہوئے مصلے کو کھولتا ہے۔ پھر دادی بلی کے بچے

کے ساتھ نماز ادا کرتے نظر آتی ہیں۔ اس پر اسرار منظر کے بعد بلی کا بچہ دوبارہ نظر نہ آیا اور بیٹے کی یادداشت چلی گئی۔

افسانے میں سائنسی، مذہبی اور سیاسی وجودیت مضمر ہے۔ افسانے کو جمع متکلم راوی کی زبان میں بیان کیا گیا ہے جو کہ گھر کے بچے ہیں۔ آغاز تا اختتام یہ کہانی پر اسراریت کا منظر پیش کرتی ہے۔ مصنف نے کہانی کو علامتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ افسانے کا کینوس بہت وسیع ہے۔ ساس بہو کی چپقلش، مولوی برہان الدین کی عجیب اور پر اسرار شخصیت، بچوں کا بلی کا بچہ پالنے کا ذوق، گھر والوں کا خاص طور پر دادی کی مخالفت، بلی کے بچے کا غائب ہو جانا، دادا کی ناکامیوں کا غم، تقسیم ملک اور ہجرت کا دکھ، بیٹوں کی بے اعتدالیاں، ایک بیٹے کے ساتھ صبر و شکر سے رہنا، بیٹیوں کی بے وفائی، بلے کے ساتھ مولوی برہان کا پر اسرار تعلق، دادی کا انتقال، بلی کے بچے کا واپس آنا اور پر اسرار حرکات کرنا، بیٹے کا یادداشت کھونا وغیرہ ایسے بھید ہیں جو افسانے کو فنٹاسی بنا دیتے ہیں۔

اگر اس افسانے کو حال کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج بھی ہمارے معاشرے میں مولوی برہان الدین جیسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کے دکھ درد دور کرنے کے لیے تعویزوں اور عملیات کا سہارا لیتے ہیں مگر اپنے گھر کے حالات ان کے قابو میں نہیں ہوتے، اپنی اولاد گمراہی کی دلدل میں پھنسی ہوتی ہے۔ اسی طرح دادی کا کردار معاشرے کی اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے جس کا شکار آج کا بوڑھا طبقہ ہے۔ انسان جوانی میں محنت و مشقت کی چکی میں اس خواہش کے بل بوتے پر پستا ہے کہ اسے بڑھاپے میں سکون نصیب ہو گا مگر بڑھاپا نئے مسائل لئے اس کا استقبال کرتا ہے اور اسے انہی مسائل کے دامن میں صبر و شکر کے ساتھ موت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ دکھاوے اور تعصب سے پرہیز

بدھ مت سے پہلے کا معاشرہ دکھاوے، تعصب پسندی اور اقربا پروری جیسی برائیوں میں جکڑا ہوا تھا، لوگ باطن کی صفائی کی بجائے ظاہری صورت کو صاف بنانے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے۔ نسب اور خاندان کی وجہ سے فضیلت دی جاتی تھی، انہی برائیوں کے خاتمے کے لئے گوتم بدھ نے تگ و دو کی اور بدھ مت کی بنیاد اخلاقیات پر رکھی ان اخلاقی تعلیمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جن میں دکھاوے اور تعصب پسندی سے پرہیز کا درس موجود ہے۔ گوتم بدھ نے خود بھی سادہ زندگی گزاری اور دوسروں کو بھی یہی نصیحت کی کہ دکھاوے اور تعصب کی بجائے سادہ طرز زندگی اپنائیں۔ دکھاوا انسان میں غرور و تکبر کی

صفات پیدا کرتا ہے جبکہ گوتم کے مطابق انسان کو بھوجن بھی یہ سمجھ کر تناول کرنا چاہئے کہ مٹی مٹی سے مل ر ہی ہے لہذا گوتم کی یہی اخلاقی تعلیمات اردو افسانے کا حصہ بنی،اس ضمن میں حجاب امتیاز علی کا افسا نہ "وہ قدیم اداس رات " ہے جو کہ ان کے مضامین کے مجموعے "خلوت کی انجمن" میں بطورایک باب شامل ہے۔ حجا ب امتیاز علی معروف رومانی فکشن نگار تھیں۔اہم موضوع حسن وعشق ہونے کی وجہ سے ان کا اسلوب شاعرانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔یہ افسانہ گوتم بدھ کی تعلیمات کے حوالے سے اہم ہے کہ اس میں مصنفہ نے گوتم بدھ کی تعلیم کو کرداروں کی گفتگو اور عمل کے ذریعے منفرد انداز میں سامنے لایا ہے۔یہ دوایسی لڑکیوں کی کہانی ہے جو کہ قریبی سہیلیاں ہیں۔باہر سے ایک دوسرے کے قریب دکھائی دینے والی سہیلیاں حقیقت میں ایک دوسرے سے دور ہیں۔ایک کا نام روحی جبکہ دوسری کا نام جسوتی ہے۔روحی لکھاری ہے اوران دِنوں جسوتی کے حالات زندگی کو کتابی صورت میں قلمبند کرنے میں مشغول ہے۔جسوتی اپنے گھر سے دور بیمار اور پریشان حال ہے۔اس کی زندگی بہت سے مسائل مثلاً شادی کا مسئلہ، محبت، غیر معمولی طبیعت،چچا کی پریشانی وغیرہ میں گری ہوئی ہے۔اس کے مسائل کے پس پردہ گوتم بدھ کی تعلیم کارفرماں دکھائی دیتی ہے جس کے مطابق:

"زندگی سے تکلیفیں جڑی ہوئی ہیں۔ انھیں زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔
خواہش نفس پر قابو پانے سے ان تکلیفوں سے نجات مل سکتی ہے۔"(۱۳)

جسوتی کا کردار آغاز تا اختتام اداسی اور پریشانی میں مبتلا دکھایا گیا ہے۔ مثلاً یہ کردار جب پہلی بار افسانے میں نمودار ہوتی ہے تب بیماری اور پریشانیوں کی حالت میں اداسی کا مجسمہ بنی سبز مخملی صوفے پر لیٹی فانوس کو دیکھ رہی تھی اور پھر روحی کی آمد پر اس سے مکالمے کے دوران پریشانیوں کا تذکرہ اس کردار کے اندر کی حالت کو عیاں کرتا ہے۔

"روحی تم ہی انصاف کرو پیاری مجھ جیسی لڑکی کی بھی کوئی زندگی ہے؟ لوگوں کو
کیا حق ہے۔خوامخواہ مجھے دق کریں؟"(۱۴)

آگے چل کر اس کردار کو مصور لبریزی کی حرکات سے زچ دکھایا گیا ہے۔ جس سے اس کی شادی طے ہے۔ مصور لبریزی غیر معمولی حسن کی وجہ سے یونانی دیوتا کے لقب سے مشہور ہے۔ مگر اس کی طبیعت ایک بگڑے ہوئے بچے کی سی ہے۔ جسے اس کے بزرگوں نے ناز پرور بنا رکھا ہے۔اور جسوتی اسے

پسند نہیں کرتی۔ اس کے حسن کو اہمیت نہیں دیتی۔اس کے نزدیک محبت حسن دیکھ کر نہیں کی جاتی بلکہ حسن اور محبت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں لہذا روحی سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ:

"مصور لبریزی اگر حسین ہے تو اس سے مجھے کیا؟ میں اس سے محبت نہیں کر سکتی۔" (۱۵)

اس کے علاوہ یہ کردار اپنی بیماری اور پریشانیوں کے کارن نہ صرف خود تکلیف میں ہے۔بلکہ اس کا خاندان بھی اس کی وجہ سے پریشان ہے اس کے خاندان کی حالت عجیب ہے۔ہر طرف پریشانیوں کا ڈیرا ہے۔یہ تمام تکالیف اسے گوتم بدھ کے اس قول کی قدردان بنا دیتی ہیں کہ

"انسان کے لیے بہترین نعمت یہ ہوتی ہے۔کہ وہ عالم وجود میں نہ لایا جاتا۔"(۱۶)

آخر میں یہ کردار غموں اور حالات کے ہاتھوں شکست کھا کر شادی نہ کرنے اور صحراؤں کی راہب عورتوں کے ساتھ مل کر بندگی میں زندگی گزارنے کا تصفیہ کر لیتی ہے کیوں کہ اسے بخوبی علم ہے۔کہ اس کی شادی خاندان کے لیے مصیبت کا باعث ہو گی۔

تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے ہمارے ادباء مختلف صورتیں اپناتے ہیں۔زیر نظر افسانے کی تخلیق میں مصنفہ نے رومان انگیز انداز کو اپنایا ہے۔جس سے کہانی میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔دراصل مصنفہ رومانی افسانہ نگار تھیں۔لہذا افسانے میں دکھوں کے ساتھ محبت کے خوبصورت جذبے کی عکس بندی بھی نظر آتی ہے۔ روحی اور جسوتی کے دل محبت کے جذبے سے معمور ہیں۔روحی کو ہارلی سے شدید قسم کی محبت ہے۔ افسانے میں ہارلی کا کردار ایسا کردار ہے۔ جس کا وجود نہیں مگر اس کا ذکر جگہ جگہ پر موجود ہے، جسوتی اور روحی محبت پر تبصرہ خیال کرتی دکھائی گئی ہیں۔روحی ظاہری خوبصورتی کو محبت کا نام دیتی ہے۔جبکہ جسوتی کے نزدیک محبت کا تعلق حسن سے نہیں،نہ ہی محبت کرنا انسان کے بس میں ہوتا ہے۔اور نہ ہی محبت کسی کے کہنے پر ختم کر کے کسی دوسرے شخص سے کی جا سکتی ہے۔یہ وہ جذبہ ہے جو خود بخود کسی کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔اس کا تعلق ظاہری حسن سے نہیں ہوتا۔گوتم بدھ کی تعلیمات کی بنیاد فلسفہ محبت پر استوار ہے۔وہ محبت کو تمام اخلاقی امور کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔نفرت کو نفرت سے ختم کرنا جہالت ہے۔لہذا نفرت کو محبت سے شکست دینے کا نظریہ ان کے ہاں موجود ہے۔

محبت زندگی کوخوشگواراورآسان بناتی ہے۔محبت کادائرہ بہت وسیع ہے۔جس میں دنیاکاہررشتہ سماجاتاہے۔

افسانے میں نہ صرف محبت بلکہ دکھاوے اور تعصب سے پاک دوستی کے تعلق کوبڑے ہی خوبصورت اندازمیں پرویاگیاہے۔روحی اورجسوتی کی دوستی اخلاقیات پرمبنی ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر بھروسہ کرتی ہیں اوراپنی پریشانیاں شیئرکرتی نظرآتی ہیں۔دونوں کے دل ایک دوسرے کی محبت سےلبریز ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ہم رازہیں۔ان کی دوستی میں دکھاوانہیں لیکن افسانے کے آغازمیں دونوں سہیلیاں اپنی اپنی جگہ پرمایوس اورپریشان دکھائی دیتی ہیں اورکہانی کے اختتام پردونوں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیال کرتی ہیں۔جس سے دونوں کے دل مطمئن ہوجاتےہیں۔بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق:

"زندگی کے بہت سے مراحل پرمشاورت وتبادلہ خیالات کے لیےوجوددوستان عزیزواقارب کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہوجاتاہے۔"(۱۷)

اس افسانے میں فلسفۂ حیات کی کارفرمائی جلوہ گرہے اوراس فلسفے کوتین مختلف کرداروں کی پیشکش سےواضع کیاگیاہے۔کردارنگاری کوافسانے کی روح کہاجاتاہے۔مصنفہ نےکرداروں کی پیشکش میں احتیاط سےکام لیاہے۔انھوں نےموقع محل کی مناسبت سےکردارنگاری کی ہے۔ افسانے کے کردارمحبت کرنےکے باوجودحالات اوراخلاقی اقدارسےبغاوت نہیں کرتے۔ افسانے کے مرکزی کرداروں یعنی روحی اورجسوتی پرجذبات واحساسات کی گرفت مضبوط ہےاسی لیےیہ دونوں کردارجذبے کی آنچ میں پگھلتےہوئے محسوس ہوتےہیں۔ان کرداروں کی زندگی محبت اورغم کامرکب ہے۔

بدھ مت کی بنیاداخلاقیات پراستوارہےاوریہی اخلاقی تعلیمات افسانے میں دکھاوے اور تعصب سےپاک دوستی اورمحبت کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں۔کہانی کوآج کی بابت دیکھاجائےتویہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ موجودہ معاشرے کی لڑکیاں بھی ان مسائل کاشکارہیں جن کاتذکرہ مصنفہ نےکیاہے۔ان مسائل کی بنیادی وجہ شعورکی کمی ہے۔بچوں کی تربیت اس طرح سے نہیں کی جاتی جس طرح کرنی چاہیے۔علم کی کمی اورناقص تربیت کی بدولت لڑکیاں زندگی کےمسائل سے

نبرد آزما ہونے سے قاصر ہوتی ہیں، یہی مسائل وقت کے ساتھ پیچیدہ ہو کر لڑکی کے خاندان کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں لہذا لڑکیوں کی بہتر تربیت اور تعلیم بے حد ضروری ہے۔

(ب): انسان دوستی کے تصورات

گوتم بدھ سے قبل معاشرے میں انسانیت کی تذلیل اور قتل وغارت عام بات تھی۔ ذات پات کے نظام نے انسان کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا رکھا تھا مگر گوتم بدھ کی تعلیمات کے بعد معاشرے میں انسان دوستی کے تصورات پروان چڑھے۔ ہر ایک کو عزت، رحم، ہمدردی اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، بدھ مت نے انسانوں کی تقسیم کے خلاف اور عالم گیر بھائی چارے کی حمایت میں آواز بلند کی۔ یہ ہندوستان کا پہلا مذہب قرار پایا جس کے ماننے والوں میں پنچ ذاتوں کے لوگ بھی دوسروں کے برابر عزت وتوقیر حاصل کر سکے۔

ا۔ امن وسلامتی

گوتم بدھ نے اپنے واعظوں میں امن وسلامتی کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ انہوں نے پر تشدد قربانیوں کی خوب مذمت کی، ان کی امن پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک گھاس کاٹنا بھی نا پسندیدہ عمل ہے، اردو افسانہ نگاروں نے گوتم بدھ کے انہی افکار کو اپنے اپنے انداز میں افسانوں میں سمویا اس ضمن میں "شہر افسوس" اہم افسانہ ہے کہ اس میں انتظار حسین نے ہجرت کی آڑ میں امن کی تلاش کو موضوع بنایا، یہ افسانہ ان کے چوتھے افسانوی مجموعے "شہر افسوس" میں شامل ہے جو کہ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں مکتبہ کارواں، لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے اور ایک مضمون شامل ہے۔

یہ افسانہ گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات کے اثرات لیے ہوئے ہے۔ زندگی اور غم گوتم بدھ کے افکار کا بنیادی تصور ہے۔ یہی بنیادی تصور اس افسانے کا اہم محرک ہے۔ انتظار حسین نے اس افسانے میں تاریخ کو بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ پرویا ہے، انھوں نے تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دلچسپی لی ہے مصنف نے تین کردار پیش کیے ہیں جو کہ انسانی فطرت کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نزہت سمیع الزماں مصنفین کی مثال دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ بعض ادیب مثلاً

"پشکن (Pushkin) تاریخی حقائق کے دوران انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دلچسپی رکھتا ہے۔"(۱۸)

افسانے میں بیان کردہ تین کردار جن کے گرد پوری کہانی کا تانا بانا بنا گیا ہے۔ شہر افسوس میں داخل ہوتے ہیں ان تینوں کرداروں کے نام افسانے میں موجود نہیں ۔ افسانہ نگار نے ناموں کی بجائے پہلا آدمی، دوسرا آدمی اور تیسرا آدمی کہہ کر کہانی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ ان کی کوئی پہچان نہیں۔ تینوں کرداروں کی ذہنی کیفیت تقریباً ایک سی ہے تینوں کردار نہ صرف ماضی اور خود سے جڑے رشتوں کی یادوں کو کہیں چھوڑ آتے ہیں بلکہ ان کو اپنے سفر کا آغاز بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ کردار ہجرت کر کے آتے ہوئے عورتوں اور لڑکیوں کی عزتوں کو پامال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور بعد میں خود بھی یہی فعل سرانجام دیتے ہیں۔ یہ فعل انجام دینے کے بعد خود کو مردہ تسلیم کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کے بوجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے انھیں ایسی کوئی جگہ نہیں ملتی جہاں وہ پناہ لے سکیں اور سکون حاصل کر سکیں۔ لہذا وہ زندگی سے محروم اپنی لاشوں کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس افسانے میں نہ صرف تقسیم کے المیے کو بیان کیا گیا ہے بلکہ ہجرت کے درد اور جلاوطنی کے تجربے کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ ملک کی تقسیم، فرقہ وارانہ دنگے فسادات اور ہجرت کے دکھ کو مصنف نے ذہنی، روحانی اور داخلی بے چینی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ تقسیم کے نتیجے میں جو لوگ ہجرت کر کے جس بستی میں جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہ بستی ان کے لیے دارالامان ثابت ہو گی مگر وہ ان کے لیے شہر افسوس ثابت ہوتی ہے۔ سفر کی دل دہلا دینے والی تکالیف سہتے ہوئے صرف اس امید پر ہجرت کرتے ہیں کہ آنے والا وقت اور ملنے والی زمین ان کے لیے امن کا گہوارہ ثابت ہو گی اور وہ سکون سے رہیں گے۔ مگر ہجرت کرنے کے بعد انھیں معلوم پڑتا ہے کہ جو لوگ زمین سے ایک بار بچھڑ جاتے ہیں۔ زمین انھیں پھر قبول نہیں کرتی۔ وہ دوبارہ آباد نہیں ہو پاتے۔ ہر زمین جو پیدا کرتی اور پالتی ہے وہ بھی اور جس کو دارالامان سمجھ کر ہجرت کی جاتی ہے وہ بھی ظالم ہوتی ہے اس بات کو افسانہ نگار اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ

"میں نے یہ دیکھا اور یہ جانا کہ ہر زمین ظالم ہے۔۔۔ جو زمین جنم دیتی ہے وہ بھی اور جو زمین دارالامان بنتی ہے وہ بھی۔۔۔ دنیا میں دکھ ہی دکھ ہے اور نروان کسی صورت نہیں ہے اور ہر زمین ظالم ہے۔"(۱۹)

افسانے میں گوتم بدھ کی تعلیمات کا تذکرہ موجود ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ افسانے کی پوری کہانی کی بنیاد گوتم کی اس تعلیم پر استوار ہے کہ دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں تو غلط نہ ہو گا کیوں کہ اس افسانے کے محرکات تقسیم ملک، ہجرت کا کرب، اقدار کی شکست وریخت، فرقہ وارانہ فسادات، جلاوطنی کے تلخ تجربات ہیں۔ یہ تمام محرکات انسانیت کے دکھ کا باعث ہیں پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام رانا اس حوالے سے اپنی تصنیف "بین الاقوامی مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ:

> "گوتم کے نزدیک دکھ دنیا کی اصل حقیقت ہے۔ دکھ کا سبب خواہشات ہیں اور خواہشات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔"(۲۰)

انتظار حسین کے اس افسانے میں یہی سچائی کارفرماں دکھائی دیتی ہے۔ گوتم کی تعلیمات کے مطابق دنیا کی ہر شے فانی ہے۔ آسمان تلے ہر شے باطل ہے۔ چاہے وہ سوچ ہو یا پھر انسانیت ہو۔ افسانے میں اس کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

> "آسمان تلے ہر چیز باطل ہے۔۔۔سوچ بھی باطل ہے۔ ۔۔انسانیت بھی باطل ہے۔۔۔اور۔۔۔جسے حق کہتے ہیں وہ بھی باطل ہے۔"(۲۱)

گوتم بدھ کی ان تعلیمات کا واضح عکس اس افسانے میں نظر آتا ہے۔ تقسیم وطن میں رونما ہونے والے فسادات ہوں، جنگ وجدل ہو یا پھر قوم ومذہب کے نام پر ہونے والے دنگے ان سب میں ظلم وبربریت اور جنسی استحصال کا نشانہ صرف عورت ہی بنتی ہے کیوں کہ عورت کمزور ہوتی ہے۔ اس افسانے میں بھی تینوں کردار ہجرت کر کے آتے ہوئے عورتوں کو ہوس کا نشانہ بناڈالتے ہیں۔ پہلا آدمی اس غلیظ فعل کی انجام دہی کے لیے ایک بھائی سے اس کی بہن کو برہنہ کرواتا ہے۔ اس منظر کو افسانہ نگار نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ

> "وہ اک سانولی رنگت والی لڑکی تھی، ماتھے پر لال بندی، زلفیں کمر کمر۔ ایک سانوالا نوجوان اس کے ساتھ تھا۔ میں نے نوجوان سے پوچھا، یہ تیری کون ہے۔ بولا کہ یہ میری بہن ہے۔ میں نے کہا کہ تو اسے برہنہ کر۔۔۔نوجوان نے فریاد کی۔۔۔میں نے نیام سے تلوار نکال لی اور چلایا تو اسے برہنہ کر۔۔۔پھر ایک تامل کے ساتھ اس کے

لرزتے ہاتھ بہن کی ساڑھی کی طرف بڑھے۔۔۔اور ان لرزتے ہاتھوں نے میرے سامنے۔۔۔"(۲۲)

اس گھناؤنے عمل کے بعد بھی پہلا آدمی زندہ رہا۔ افسانے میں یہ گھناؤنا عمل بدستور جاری رہتا ہے۔ پہلا آدمی ایسے گھناؤنے افعال کی انجام دہی کے بعد بھاگ کر اپنی جان بچانا چاہتا ہے مگر بھیڑ کے شکنجے میں پھنس کر وہ اپنی تلوار پھینکنے لگتا ہے۔ ایک آدمی اسے روک دیتا ہے کہ تلوار پھینکنا آئین جوان مردی نہیں۔ پہلا آدمی ہار کر کہتا ہے کہ اب اس کے سوا زندہ رہنے کی اور کوئی صورت نہیں مگر اس کی یہ بات سن کر وہ آدمی پہلے آدمی پر حقارت سے تھوکتا ہے۔ عین اسی وقت ایک تلوار اس کے سر پر چمکتی ہے اور وہ چکرا کر زمین پر گر جاتا ہے۔ اس کے بعد بھی پہلا آدمی زندہ رہتا ہے۔ حتی کہ اس کے سامنے ایک آدمی اس کی جواں بیٹی کو لاتا ہے اور کہتا ہے اسے برہنہ کر۔ اپنی بیٹی کی اپنی آنکھوں کے سامنے عزت لٹتے دیکھ کر بھی پہلا آدمی زندہ رہتا ہے۔ ندامت کے احساس سے عاری جب اس منزل سے گزر جاتا ہے تو منہ چھپا کر بھاگتا ہے اور گھر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی گلی کا کتا اسے دیکھ کر غراتا ہے۔ اس کی بیوی اس کی آواز پہچان نہیں پاتی۔ پھر وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھتا ہے۔ باپ دیا ہاتھ میں اٹھا کر غور سے دیکھتا ہے۔ سر تا پیر تک حیرت سے دیکھتے ہوئے سوال کرتا ہے تو زندہ ہے؟ اس پر جواب دیتا ہے کہ ہاں میرے باپ میں زندہ ہوں۔ باپ کے درد بھرے الفاظ کو افسانہ نگار نے اس طرح سے پیش کیا ہے کہ باپ نے بیٹے کو کہا کہ

"اگر تو زندہ ہے تو پھر میں مر گیا۔ اس بزرگ نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس لیا اور مر گیا۔"(۲۳)

اس کے بعد اس کی بیوی اس سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ

"اے اپنے موئے باپ کے بیٹے اور اے میری آبرو لٹی بیٹی کے باپ تو مر چکا ہے ۔۔۔تب میں نے جانا کہ میں مر گیا ہوں۔"(۲۴)

دراصل یہ آدمی پہلے ہی مر چکا تھا اسی لیے کتا اور بلی اس کو دیکھ کر غراتے اور ٹھٹھکتے ہیں۔ دونوں جانور اسے دیکھ کر اجنبیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جانوروں کا بھوتوں کو دیکھ کر رد عمل فطری بات ہے۔ پہلا آدمی مر چکا ہے اور اس کے بھوت کو دیکھ کر جانور اس سے مانوس نہیں ہوتے حتی کہ اس کے گھر والے بھی اس سے اجنبی کی طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ اپنی لاش کے ساتھ باپ کی لاش کو نہیں اٹھاپاتا اور باپ کی لاش کو وہی

چھوڑ دیتا ہے۔ افسانے میں باپ کی لاش کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ باپ علامت ہے اس تہذیب ان جڑوں کی جن کی بنیاد پر ہی قومیں اپنا تشخص قائم رکھ پاتی ہیں۔ تقسیم ملک نے بہت سے لوگوں کو بے جڑ ہونے کی تکلیف سے گزارا انتظار حسین خود بھی اس کرب سے گزرے ہیں لہذا وہ بے جڑ ہونے کے احساس کو بخوبی جانتے ہیں۔ اسی لیے ان کا یہ کرب اس افسانے کے تینوں کرداروں کی تخلیق میں دکھائی دیتا ہے۔ تینوں کردار بے جڑ دکھائے گئے ہیں۔

پہلے آدمی کی طرح دوسرا آدمی بھی برہنگی کا بازار گرم رکھتا ہے۔ وہ لڑکی جس کے ساتھ دوسرا آدمی ظلم کرتا ہے وہ مٹی ہوئی بندی اور پھولا ہوا پیٹ لے کر نمودار ہوتی ہے۔ وہ اپنے پھولے ہوئے پیٹ کے ذمہ دار کو سامنے آتے ہی پہچان لیتی ہے اور وہاں سے چیخ مار کر بھاگنے لگتی ہے۔ دوسرا آدمی بھی اسے دیکھ کر ڈر جاتا ہے کہیں وہ اسے گرفتار نہ کروادے۔ اسی خوف سے ڈر کر وہ چٹیل میدان میں پہنچ جاتا ہے اور لوگوں سے سوال کرتا ہے کہ یہ کیسی بستی ہے۔ جہاں پر بچے بھوک سے نڈھال ہیں۔ شاداب چہرے مرجھائے ہوئے ہیں۔ سفید رنگ والی عورتیں سنولا گئی ہیں۔ گلی کوچوں میں خاک اڑ رہی ہے۔ گھر قید خانوں کا منظر پیش کر رہے ہیں اسے جواب ملتا ہے کہ

> "اے کم نصیب، تو شہر افسوس میں ہے۔ اور ہم سیہ بخت، یہاں دم سادھے موت کا انتظار کرتے ہیں۔"(۲۵)

دوسرا آدمی یہ سن کر کہتا ہے کہ اے لوگو! تم وہی نہیں ہو جو اس جگہ کو دارالامان سمجھ کر دور سے چل کر آئے اس کو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہم وہی لوگ ہیں تم نے صحیح پہچانا۔ ہم اپنوں کے ظلم میں وقت گزار رہے ہیں۔ اس پر دوسرا آدمی کہتا ہے کہ جو لوگ اپنی زمین کو چھوڑ آتے ہیں پھر ان کو کوئی زمین بھی قبول نہیں کرتی ہر زمین ان کے لیے ظالم بن جاتی ہے۔ جو زمین جنم دیتی ہے وہ بھی اور وہ بھی جسے دارالامان سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہاں مصنف اس حقیقت سے پردہ ہٹانے کی کاوش کرتے ہیں کہ جو لوگ اپنی زمین چھوڑ آتے ہیں ان کے لیے نئی زمین میں آباد ہونا ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اس درخت کی ماند ہوتے ہیں جو بغیر جڑوں کے اکھاڑ کر دوسرے جگہ لگا دیا جائے۔ جڑوں کی غیر موجودگی میں ایسا درخت پھلتا پھولتا نہیں بلکہ مرجھا جاتا ہے۔ افسانے کے اس حصے میں گوتم بدھ کا ذکر ملتا ہے۔ جو کہ گیا کا بھکشو تھا اور جس نے دکھ سے نجات کے سفر میں تپسیا کر کے نروان پایا تھا۔

تیسرا آدمی ہجرت کر کے آنے والوں سے جب منہ موڑتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا چہرہ بگڑتا چلا جارہا ہے۔ تیسرا آدمی خود کو لاپتہ گردانتا ہے۔ ہجرت کے وقت لاپتہ ہونا ایسی موت کی علامت ہے جس میں نہ تو لاش کا پتہ چلتا ہے اور نہ کفن دفن ہوتا ہے۔ تیسرا آدمی اداس دکھائی دیتا ہے کہ اس بستی میں اسے دفن ہونے کی جگہ مل پائے گی بھی یا وہ لاپتہ ہی رہے گا۔ لہذا وہ سوچتا ہے کہ وہ اسیروں میں نہیں؟ یا پھر اُن لوگوں میں جو قتل کر دیئے گئے۔ یہ تمام سوچیں اسے مایوسیوں کے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہیں۔ اور وہ سوچتا ہے کہ اگر وہ مر گیا تو اس کی لاش کو کہاں دفنایا جائے گا کیوں کہ شہر افسوس میں تو ہر طرف بے گور نعشیں پڑی ہوئی ہیں۔ حتی کہ پہلے آدمی کی بھی نعش بے گور پڑی ہوئی ہے۔ پہلے اور تیسرے آدمی سے دوسرا آدمی مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

"اے بدشکلو! کیا میں نے تمہیں گیا کے آدمی کی بات نہیں بتائی تھی۔ ہر زمین ظالم ہے،
اور آسمان تلے ہر چیز باطل ہے اور اکھڑے ہوؤں کے لیے کہیں امان نہیں ہے۔"(۲۶)

تینوں کرداروں کے چہرے ان کے برے کرموں کی بدولت بگڑ جاتے ہیں۔ تینوں کردار خوف، ذلت، سوچ ومایوسی میں غرق نظر آتے ہیں۔ یہ کردار فسادات کے دوران اپنی غلط حرکتوں کی بدولت اور خود کو پہچاننے کے لیے ایک دوسرے سے سوال وجواب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی شناخت کی تلاش میں وہ ماضی کو کریدتے ہیں۔ اپنی روایات سے ٹوٹنے کے غم سے ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ تینوں کردار اپنی اپنی شناخت کے لیے مسخ چہرے والی لاش پر جھک جاتے ہیں۔ تینوں اس مسخ چہرے والی لاش کو اپنی لاش سمجھتے ہیں۔ تینوں کردار اپنی روایات، اقدار، اور اپنی میراث کے ساتھ ساتھ اپنی شناخت بھی ماضی میں چھوڑ آئے ہیں۔ اس افسانے کا کینوس خوف، ڈر، اپنی روایات سے بچھڑ جانے کا دکھ، مایوسی، عورت کا جنسی استحصال، انسان کے اندر کا برہنہ پن، ہجرت، قتل وغارت، فسادات سے بھرا پڑا ہے۔ پوری کہانی دکھوں اور تکالیف سے بھری پڑی ہے۔

۲۔ احترام انسانیت

انسانیت کا احترام بدھ مت کی اولین ترجیح ہے اس حوالے سے مہاتما بدھ نے اپنے اپدیشوں میں واضح تعلیمات دی جن کے مطابق تمام انسان برابر ہیں اور ہر رشتہ مقدس ہے۔ گوتم بدھ نے ہر رشتے مثلاً ماں باپ، بہن بھائی دوست احباب وغیرہ کے حقوق وفرائض کو واضح کیا۔ اس حوالے سے انتظار حسین کا افسانہ

قدامت پسند لڑکی اہم ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے کچھوے میں موجود ہے، یہ مجموعہ ۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے ہیں۔

اس افسانے کی بنیاد گوتم بدھ کی تعلیمات پر استوار ہے، ہیروئن ساجدہ نیاز کو ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے دکھایا گیا ہے۔ مصنف نے گوتم بدھ کے افکار کو تاریخ کے اوراق سے نکال کر فکشن بنایا ہے، اس امر کی انجام دہی کے لیے تخیل کا سہارا لیا گیا جس سے گوتم بدھ کے افکار میں داستانی عناصر در آئے ہیں۔ مصنف نے فکشن کے لوازمات اور تاریخ کو مد نظر رکھ کر افکار گوتم کو پیش کیا ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے مصنفین مختلف صورتوں کو اپناتے ہیں۔ اس افسانے کی تخلیق میں مصنف نے گوتم بدھ کی تعلیمات کو سامنے لانے کے لیے رومان کا سہارا لیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نزہت سمیع الزمان اپنی کتاب "تاریخ اور افسانہ" میں لکھتی ہیں:

> "تاریخی ناول نگاروں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی تاریخی دور کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے دماغ سوزی کرنے کی بجائے تاریخی واقعات کو رومان انگیز انداز میں بیان کریں اور کہانیوں کے ذریعہ تاریخی واقعات کی یاد تازہ کریں۔[۲۷]

انتظار حسین نے اسی صورت کو اپنایا ہے، ساجدہ نیاز جو کہ مہاتما کی پیروکار ہے مہاتما بدھ کی تعلیم انسان دوستی اور احترام انسانیت پر عمل پیرا ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ افسانے کے ہیرو یعنی محسن کو سوئٹر بن کر دیتی ہے۔ مگر محسن اس کے تحفے کا مطلب انسان دوستی کے سوا کچھ اور لیتا ہے جس پر اسے شرمندگی ہوتی ہے اور وہ ساجدہ نیاز سے معافی مانگتا ہے جس پر ساجدہ کہتی ہے کہ

> "میں مہاتما بدھ کی پیرو ہوں اور معاف کر دیا کرتی ہوں۔"[۲۸]

ہیروئن انسان دوستی کی اعلیٰ مثال ہے۔ وہ آغاز سے اختتام تک معاف کر کے اپنی دوستی کا بھرم رکھتی ہے۔ اس کے نزدیک انسان دوستی سب سے بڑا مسلک ہے۔ جس کے متعلق گوتم کی واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اس حوالے سے کرشن کمار اپنی تصنیف "گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک" میں لکھتے ہیں کہ

> "زندگی کے بہت سے مراحل پر مشاورت وتبادلہ خیالات کے لیے وجود دوستاں عزیز واقارب کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے آدمی کو چاہیے کہ اپنے دوستوں کو تحائف پیش کرے۔ ان کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی روئیوں کا مظاہرہ کرے۔"[۲۹]

ساجدہ نیاز محسن کی ہر بات کو در گزر کر دیتی ہے اور گوتم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے محسن کو تحفہ بھی دیتی ہے اور اس سے اعلیٰ اخلاقی روئیوں کا مظاہرہ کرتی ہے حالاں کہ وہ محسن کو کئی بار آگاہ کر چکی ہوتی ہے کہ وہ قدامت پسند ہے اور مردوں کے ساتھ پکچر دیکھنا اور گھومنا اسے نہیں پسند۔ اس کے باوجود محسن اسے دریا پر بوٹنگ کرنے، گھومنے پھرنے اور پکچر دیکھنے کی تجاویز پیش کرتا رہتا ہے مگر وہ ہر بار انکار کر دیتی ہے جس پر محسن کو معذرت کرنی پڑتی ہے اور وہ وہی جملہ دھراتی ہے کہ میں قدامت پسند لڑکی ہوں اور مہاتما بدھ کی ماننے والی ہوں اور معاف کر دیا کرتی ہوں۔ قدامت پسند لڑکی کی ہیروئن مہاتما بدھ کی پیرو ہے۔ مگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہ صرف اذان کا احترام کرتی ہے بلکہ پابندی سے نماز اور تیسوں روزے بھی رکھتی ہے۔ مصنف نے ہیروئن ساجدہ نیاز کی شخصیت کو افسانے میں اس طرح سے متعارف کرایا ہے کہ

"وہ چست قمیص پہنتی تھی۔۔۔ تیسوں روزے رکھتی تھی۔۔۔ اور وہ نماز قضا نہیں کر سکتی تھی۔ مگر وہ فرقہ پرست نہیں تھی۔ وہ مہاتما بدھ کی پیرو تھی اور انسان دوستی اس کا مسلک تھا۔"(۳۰)

محسن بھی گوتم کی تعلیم پر عمل کرتا دکھایا گیا ہے۔ وہ اسلام کو ایک سوشل موومنٹ کے طور پر مانتا تھا اور امام حسینؓ نے سماجی اصلاحات کے اس پروگرام کو دشمنوں سے بچانے کے لیے جو قربانی پیش کی تھی وہ اسے مانتا تھا لہذا اسے سید حسن کے گھر میں منعقدہ مجلس میں بیٹھ کر گریہ کرنے میں مضائقہ نظر نہ آتا اس نے میٹرک کے امتحانات میں پہلی ڈویژن لیتے ہی خدا کے وجود سے انکار کر دیا تھا۔ بدھ مت میں خدا کا واضح تصور موجود نہیں۔ بدھ کی تعلیمات کے مطابق سب انسان برابر ہیں۔ ہیروئن ساجدہ نیاز بدھا کی اسی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے محسن کے مجلس میں گریہ کرنے پر کہتی ہے کہ

"کوئی رافضی ہو یا مرزائی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں تو مہاتما بدھ کی پیرو ہوں۔"(۳۱)

جب محسن اور ساجدہ نیاز کے درمیان نظریات کا فرق پیدا ہوا تو محسن کے لیے جدائی بہت تکلیف دہ تھی لہذا وہ سوچنے لگا کہ وہ یا تو خودکشی کرے یا پھر بدھا کی طرح جنگل کی جانب نکل جائے اور سادھو بن کر زندگی گزار دے۔ مگر سید حسن اس کو سمجھاتا ہے اور وہ عقلیت پسند ہونے کی بنیاد پر قائل ہو جاتا ہے۔ محسن کے ٹیلی فون کرنے کے بعد بھی ساجدہ نیاز یہی کہتی ہے کہ ہم نظریاتی طور پر الگ ہیں۔ وہ پھر بھی ہمت نہیں ہارتا اور اپنے دوست اشرف کو پوری کہانی سناڈالتا ہے۔ اشرف اسے تسلی دیتا ہے کہ وہ مہاتما بدھ کی پیروکار

ہے، معاف کر دے گی اور ضرور لوٹ آئے گی مگر محسن اس کی تسلی پر کان نہیں دھرتا۔ ایک دن ساجدہ محسن کے گھر آکر کہتی ہے کہ ہم آپ نظریاتی طور پر الگ ہو گئے ہیں لہذا میرا دیا ہوا سوئٹر واپس لوٹا دو۔ مگر محسن صاف کہہ دیتا ہے کہ سردیوں کا مہینہ ہے لہذا سویٹر لوٹانے سے معذور ہوں۔ اس پر وہ وہی جملہ دھراتی ہے کہ میں گوتم بدھ کی پیروکار ہوں اور معاف کر دیتی ہوں لہذا مارچ تک کا وقت دے کر روانہ ہو جاتی ہے۔ محسن سوچتا ہے کہ خطا مجھ سے ہی سرزد ہوئی وہ تو مہاتما بدھ کی پیروکار ہے معاف تو کر ہی دیتی۔ یہ پوری کہانی مہاتما بدھ کے مذہب بدھ مت اور اسلام کی تعلیمات پر استوار ہے۔ ہیرو اور ہیروئن بیک وقت دونوں مذاہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے دکھائے گئے ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک اور اہم افسانہ "بنارس کا ٹھگ" ہے جو کہ خواجہ احمد عباس نے تخلیق کیا ہے یہ رام لعل کی مرتب شدہ کتاب بعنوان "خواجہ احمد عباس کے افسانے" میں موجود ہے جو کہ ۱۹۸۸ کو سیمانت پرکاش دریا گنج نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ افسانہ احترام انسانیت پر مبنی تعلیمات کے حوالے سے اہم ہے کہ اس میں گوتم بدھ کے افکار کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

مرکزی کردار کبیر جو کہ ایک مسافر ہے گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل کرتا دکھایا گیا ہے یہ کردار امیروں سے مال چھین کر غریبوں کو دیتا ہے۔ اس کا دل محبت، غریبوں سے ہمدردی اور مدد کے جذبے سے سرشار ہے۔ بازار میں پہنچ کر اس نے دیکھا دوکانوں پر لاکھوں کا رنگ برنگی کپڑا پڑا ہے اس نے سوچا کہ اب تو ہر عورت رنگ برنگے ملبوسات زیب تن کر سکتی ہے مگر جب اس کی نظر لوگوں پر پڑی تو لوگ پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آرہے تھے۔ ایک بھیکارن پھٹے چیتھڑے سے اپنا اور اپنے بچے کا تن ڈھانپ رہی تھی۔ دو مزدور پھٹے ہوئے سوتی کرتوں اور میلی دھوتیوں کے ساتھ ہاتھ گاڑی دھکیلتے جا رہے تھے جبکہ دوسری طرف ایک لالہ جی پشمینے کا دوشالہ پہنے انگیٹھی پر ہاتھ سینکنے میں مشغول تھے اور ایک کشمیری اونی چوغہ پہنے سر پر بیس گز کا عمامہ باندھے مسجد جا رہے تھے۔ مسافر یہ سب دیکھ کر بہت دکھی ہوا اور بھجن گانے لگا۔

> "اے بھگوان ۔یہ کیسا تیرا دربار ،جہاں ہے ظلم کی برمار،رنگ محل میں بسیں مسخرے، عیش کریں سب چور لٹیرے، مورکھ کو سب کہیں گیانی، گیانی کو سب کہیں گنوار، کوئی اوڑھے شال دوشالہ، کوئی ننگا بیچ بازار۔۔۔یہ کیسا تیرا دربار یہ کیسی سرکار رے بھگوان۔۔۔یہ کیسی سرکار"(۳۲)

افسانے میں گوتم بدھ کا کردار پس منظر کے طور پر دکھایا گیا ہے مسافر گوتم بدھ کے مندر جاتا ہے جہاں وہ مورتی سے ہم کلام ہوتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کی مورتی اس کی باتیں سن رہی ہے۔ اس کیفیت کو افسانہ نگار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"گوتم بدھ کی آنکھوں نے خاموشی سے کہا: دکھ کیا ہے سکھ کیا ہے؟ کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہیں وہ ہمارے کرم ہیں ہمارا عمل ہے اور آج تم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ تمھارے شبدوں میں سنگیت ہی نہیں شکتی بھی ہے۔ اور اب مسافر نے دیکھا وہ پتھریلی آنکھیں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہیں۔"(۳۳)

سونے کی مورتی مسافر کو باور کراتی ہے کہ امیر لوگوں نے بدھ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی بجائے بدھ کی سونے سے مورتی بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

"سونے کی مورتی دیکھ کر کبیر نے کہا: مگر بدھ نے کہا تھا کہ میری مورتی نہ بنانا اور یہ بھی کہا تھا کہ کسی مورتی کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنا۔"(۳۴)

مگر گوتم کی تعلیمات کو نہ صرف امیر طبقے نے بلکہ مذہبی ٹھیکیداروں مثلاً مولوی، پنڈت، بھکشو وغیرہ نے بھی فراموش کر دیا اور محض دکھاوے اور نمائش کے لیے مندروں میں سونے کی مورتیاں بنوائی گئیں۔ بے حسی، دکھاوا اور نمائش کا جنون غریبوں کے استحصال کا اہم سبب ہے۔ جسے افسانے میں دکھایا گیا ہے۔ کرشن کمار اپنی تصنیف گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک میں گوتم بدھ کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بدھ کے پیروکار کے لیے ضروری ہے کہ اس کا باطن تمام مخلوقات کے لئے رحم، ہمدردی اور محبت سے معمور ہو۔ بدھ مت ہر کسی کے لئے محبت بھرے سلوک کا درس دیتا ہے۔"(۳۵)

افسانے میں مرکزی کردار کبیر کو بدھ کے اسی قول کی پاسداری کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس کے دل میں غریبوں کے لیے محبت کا جذبہ ہے یہ افسانہ احترام انسانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مرکزی کردار تعصب اور دکھاوے سے اجتناب کرتا ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے ادیب مختلف صورتیں اپناتے ہیں۔ اس حوالے سے نزہت سمیع الزمان لکھتی ہیں کہ

"مختلف ادیبوں کے نزدیک تاریخی حقائق کیا معنی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر والٹر اسکارٹ مختلف تاریخی ادوار کی تصویر کشی کرتے وقت کشاکش کے موضوع کو پیش نظر رکھتے ہیں۔۔۔ بھگوان گڈوانی کا معاملہ ان سب سے الگ ہے ان کو ایک غیر جانبدار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن تھی انہوں نے اپنی تلاش و جستجو سے جو حقائق معلوم کیے ان کو عوام تک پہنچانے کے لیے تاریخی ناول کا سہارا لیا۔"(۳۶)

اس افسانے میں مصنف نے اسی روش کو اپناتے ہوئے غیر جانبدار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی منظر نامے کی حقیقت اور اصلیت کو سامنے لانے کی سعی کی ہے کہ امیر طبقے نے بدھ مت کی تعلیمات پر عمل کرنے کی بجائے سونے کی مورتی بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی جبکہ غریب اور نادار لوگ بھوکے ننگے رہ گئے ان کے لئے امیر طبقے کے دل میں احساس نام کی چیز نہیں۔

(ج): فلسفیانہ تصورات

گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات میں زندگی و غم، غم و خواہش وغیرہ اہم ہیں۔

ا۔ زندگی اور غم

زندگی اور غم کا آپس میں گہرا تعلق ہے، بدھا کے مطابق فرد کی زندگی پیدائش تا موت غم و الم سے بھری ہوئی ہے، زندگی کا ہر مرحلہ مثلاً پیدائش، جوانی، بڑھاپا، موت انسان کے لئے دکھ کا سبب بنتا ہے۔ زندگی ہے تو کوئی نہ کوئی دکھ لگا ہی رہتا ہے۔ گوتم کی اسی تعلیم کو اردو افسانے میں پرویا گیا اس حوالے سے اہم افسانوں میں "میں گوتم ہوں، ایک گاتھا، راج محل اور مہاتما بہت دکھ ہیں" شامل ہیں۔

"میں گوتم ہوں" عشرت ظہیر کا افسانہ ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے ابھرتی ڈوبتی لہریں میں شامل ہے، یہ مجموعہ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شبستان ادب، گیا کے زیر اہتمام شائع ہوا اور اس میں کل انیس افسانے ہیں۔ عشرت ظہیر نے اس کہانی میں تاریخ کے اہم اور دردناک سانحہ کا تذکرہ کیا ہے جس میں لاکھوں بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، یہ واقعہ جلیانوالہ باغ کا ہے جو کہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا جب رولٹ ایکٹ کی منظوری کے خلاف پر امن احتجاجی مظاہرے پر برطانوی ہندوستانی فوج نے جنرل ڈائر کے احکامات پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

عشرت حسین نے اس افسانے میں تاریخی حقائق کو بیان کرتے ہوئے انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دل چسپی لی ہے۔ اس حوالے سے مصنف نے ایک کردار پیش کیا ہے۔ اور اسی کردار کی زبانی افسانے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ یعنی راوی افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ جس کی عمر تہتر سال ہے اور ہاتھ میں گولی لگنے پر اسے ہسپتال داخل کیا گیا۔ اس کا ہاتھ کٹ چکا تھا اور وہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹے ہوئے اپنی تہتر سال کی عمر کی وسیع تنہائی کا موازنہ اوروں کی تنہائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی دوران اسے جلیانوالہ باغ کا واقعہ جو ۱۳اپریل ۱۹۱۹ء کو پیش آیا، یاد آ گیا۔ اس واقعے میں راوی کی بازو کو بولٹ نے چھوا تھا مگر اس وقت راوی کا ہاتھ بچ گیا۔ تنہائی، جلیانوالہ باغ کا سانحہ، تھری ناٹ تھری کی بولٹ، کرفیو، گھر والوں کا انتظار، سماج کی بے رحمی، جبر واستبداد، سرمائیکل اور ڈائر سے سوالات کا سلسلہ، خاور کی کرب ناک چیخ، صفدر اور زاہدہ کی سسکیاں، گوتم کا قول، ۱۹۹۹ء کا گورا کلکٹر، ۱۹۷۴ء کا کالا کلکٹر اور بڑھاپا یہ تمام راوی کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیات کے علمبردار ہیں۔

یہ افسانہ گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات زندگی اور غم کے اثرات لیے ہوئے ہے۔ راوی کو اپنی تہتر سالہ زندگی میں کتنے ہی سانحات اور غموں کا سامنا کرنا پڑا۔ تھری ناٹ تھری کی بولٹ لگنے سے ہاتھ کا کٹ جانا، تہتر سال کی عمر کی وسیع تنہائی کا غم، نانک کی دھرتی کی خونیں بیساکھی تاریخ جس کو راوی نے افسانے میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ

> "وہ ۱۳اپریل ۱۹۱۹ء کی ایک بے رحم شام تھی جب اس مربع نما قطعہ زمین پر بیس ہزار افراد کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جن میں ایک میں بھی تھا پھر اچانک ہی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایک بولٹ میرے بازو کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس وقت میرا ہاتھ بچ گیا تھا لیکن آج۔۔۔!"(۳۷)

راوی ۱۳اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں ہونے والے سانحے کا عینی شاہد ہے۔ جس میں اس کا بازو زخمی ہوا اور اس نے ہر طرف بکھری لاشیں دیکھی۔ ہر طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ لوگوں کی چیخ وپکار ساتویں آسمان کو چھو رہی تھی۔ راوی کو اس خون آشام شام میں عطر کور تن تنہا اپنے شوہر کی لاش تلاش کرتی ہوئی دکھادی۔ جلیانوالہ باغ میں موجود کنواں کہ جس میں فائرنگ کے شروع ہوتے ہی افراتفری کے عالم میں سینکڑوں افراد گر کر موت کی وادی میں کھو گئے۔ جبر واستبداد کے اس واقعے میں بے گناہ مارے جانے والوں کے خون کے چھینٹے آج بھی تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ راوی اس سانحے کے وقت بیس برس کا تھا مگر

اب ۴۳ سال کی عمر میں اسے پھر جبر واستبداد کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کی عمر ڈھلنے کے ساتھ جبر واستبداد کا حوصلہ جوان ہوتا چلا گیا۔ اب کی بار گوتم کی دھرتی کو نشانہ بنایا گیا۔ پُرامن تحریک میں ایک بار پھر فائرنگ کا منظر سامنے آیا۔ گولی ایک بار پھر راوی کو لگی جس سے اس کا بازو ضائع ہو گیا۔

راوی افسانے کے آغاز تا اختتام مسلسل دکھوں، غموں اور تکالیف کا شکار دکھائی دیتا ہے وہ بوڑھا ہو گیا مگر غموں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اسے مسلسل جبر واستبداد کا سامنا کرنا پڑا۔ زندگی نے اسے ہر موڑ پہ نیا زخم دیا۔ زندگی اور غم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے گوتم بدھ اپنے اپدیش میں زندگی اور دکھ کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"پیدائش دکھ ہے۔ بڑھاپا دکھ ہے۔ اور موت بھی دکھ ہے۔ زندگی میں تکلیف اور دکھ ہی دکھ ہے۔"(۳۸)

راوی ہسپتال میں داخل ہے اور اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچ کر دکھی ہے کہ اس کے کٹے ہاتھ کے بارے میں گھر میں کسی کو علم نہیں۔ گھر میں سب کس قدر پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ دراصل راوی کے ساتھ سانحہ جب پیش آیا تب وہ گھر سے باہر تھا۔ گھر والے اس کی حالت سے بے خبر تھے۔ خاص طور پر راوی کا پوتا خاور۔ راوی بازو کٹ جانے پر سماج کی بے رحمی کے بارے میں سوچتا ہے کہ

"خاور آئے تو اسے بتاؤں گا کہ یہ سماج کتنا بے رحم ہے۔ بالکل تھری ناٹ تھری سے نکلنے والی گولیوں کی طرح، جو بازوؤں میں گھس کر پورا بازو ہی کھا جاتی ہیں۔"

اس نے سوچا کہ

"کتنی حوصلہ شکن کیفیتیں ہوں گی ان سبھوں کی۔۔۔ نہ موت کا یقین نہ زندگی کی ضمانت! کش مکش اور اس کے آگے بھی کش مکش پھر ایک بڑا سوالیہ نشان۔"(۳۹)

راوی کے ان الفاظ سے راوی کی بے بسی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر سماج کی بے رحمی اور جبر واستبداد نے اس کی خوشیوں بھری زندگی کو یک دم معذور کر دیا۔ وہ بھی عمر کے اس حصے میں کہ جب انسان بڑھاپے کے ہاتھ پہلے سے ہی لاغر و بے بس ہو چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود بے خبر سماج نے گولی کا نشانہ باندھ کر اس کے بازو کو تار تار کر دیا۔ اس کے بڑھاپے کا بھی خیال نہ کیا گیا۔ راوی پوری کہانی میں مسلسل سوچوں میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو اسے اپنے بازو کے کٹ جانے کا غم ہے۔ تو دوسری طرف وہ

گھر والوں سے دوری کا افسوس لیے ہوئے ہے۔ کرفیو کی وجہ سے گھر والوں سے ملنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ پورے انتالیس گھنٹوں میں کرفیو کی حالت میں وہ ماضی اور گھر والوں کی پریشانی کو سوچتا رہا۔ کرفیو کھلتے ہی سب سے پہلے خاور ہی نے اسے دیکھا۔ خاور کی کرب ناک چیخ صفدر اور زاہدہ کی سسکیاں ،راوی کی تکلیف میں مسلسل اضافہ کرتی رہیں۔ان کے جانے کے بعد راوی گوتم بدھ کے اس قول کو سوچتا ہے جس میں گوتم نے کہا تھا کہ

"رنج و غم، بار بار جنم لینے اور دنیا کی چیزوں سے محبت کا نتیجہ ہے۔"(۴۰)

راوی اپنی سوچوں میں گم تھا کہ کلکٹر صاحب زخمیوں کا معائنہ کرنے آئے جن کو دیکھ کر راوی طنزیہ مسکرانے لگا۔اس نے سوچا:

"یہ ۱۹۱۹ء کا گورا کلکٹر نہیں تھا، یہ ۱۹۷۴ء کا کالا کلکٹر تھا۔ صرف رنگ بدل گیا تھا جیسے جوان سے بوڑھا ہو گیا ہو۔"(۴۱)

راوی کے کلکٹر کے بارے میں تاثرات طنزیہ ہیں۔ ۱۹۱۹ء میں راوی کو غیروں نے گولیوں سے زخمی کیا تھا مگر اس بار اس کے اپنوں نے ہی اس کے ساتھ گوروں کی طرح ظلم کیا۔ لہذا اس کے نزدیک ۱۹۱۹ء کے وقت کا کلکٹر اور ۱۹۷۴ء کا کلکٹر بالکل ایک جیسے ہیں۔ دونوں میں صرف سفید اور سیاہ رنگ کا فرق تھا جسے راوی جوانی اور بڑھاپے سے تشبیہ دیتا ہے۔ مصنف نے ایک طرف اس افسانے کے ذریعے تاریخی حقائق کو سامنے لایا ہے تو دوسری جانب گوتم بدھ کی عظیم سچائی یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے ،کا پرچار کیا ہے۔ اس حوالے سے مصنف نے باقاعدہ گوتم کے قول کو افسانے میں جگہ دی ہے۔ افسانے کا کردار مختلف سانحات میں گولیوں کا شکار ہوتا ہے۔ اسے نہ صرف غیر بلکہ اپنے بھی تکالیف دیتے ہیں۔ اس کا بازو غیروں کے حملے میں گولی لگنے سے بچ جاتا ہے مگر اپنوں کے دیئے زخم اس کے بازو کو تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ افسانہ نگار اس کہانی کی بدولت یہ درس دینا چاہتا ہے کہ انسان کی زندگی دکھوں اور سماجی مظالم کا شکار ہوتی آئی ہے۔ انسان چاہے جتنی بھی ترقی کر لے اور عمر کے جس بھی حصے میں کیوں نہ ہو دکھ اور تکالیف اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ کبھی غیروں کے ہاتھوں جبر سہنا پڑتا ہے تو کبھی اپنے ہی جان کے دشمن بن بیٹھتے ہیں۔ دکھوں اور مسائل کا اتار چڑھاؤ انسان کی زندگی میں جاری رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ غم انسان کی اپنی خواہشات اور تمناؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان اپنی خواہشات اور تمناؤں کو کم کر کے اپنے دکھوں کو کم کر سکتا ہے۔

اگر افسانے کو آج کے دور کے آئینے میں دیکھا جائے تو افسانہ میں بیان کردہ جبر واستبداد کا سامنا آج کے دور کے لوگ بھی کر رہے ہیں۔ آج کا ظالم معاشرہ بھی بے گناہوں اور غریبوں کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ غیر تو غیر اپنے بھی زیر کر کے حکومت کرنے کے درپہ ہیں۔ آج کے دور میں نہ صرف حکومتی سطح پر بلکہ عوامی سطح پر بھی دوسروں کے ساتھ ظلم عام ہے، طاقت ور طبقہ کمزور طبقے پر حکمرانی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

بعض افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آنے والے سیاہ دور کو اپنے افسانوں میں پیش کر کے گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات کو عیاں کرنے کی کوشش کی ہے اس حوالے سے رتن سنگھ کا افسانہ "ایک گاتھا" اہمیت کا حامل ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے پناہ گاہ میں شامل ہے، یہ مجموعہ ۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آیا اور اس میں کل اکیاون افسانے ہیں۔ رتن سنگھ کی تحریروں میں ترقی پسند تحریک، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے رنگ نمایاں ہیں۔

ایک گاتھا زمانہ قدیم کے ایک واقعہ کے گرد گھومتی کہانی ہے جس میں انسانی زندگی پر مایا کے اثر کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کہانی کو تخلیق کرتے وقت مصنف نے انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دل چسپی لی ہے اور اس حوالے سے مصنف نے رشی کنیا کا کردار پیش کیا ہے۔ رشی ہونے کے باوجود ندی میں کل جگ (سیاہ دور) کی جھلک دیکھ کر وہ اس کی اور کھینچی چلی جاتی ہے۔ اسے بچانے کے لیے رشی کو ریاضت چھوڑ کر آنا پڑتا ہے۔

افسانے میں گوتم بدھ کے نام کا کردار اور تعلیمات کا پرچار دکھایا گیا ہے۔ مہاتما بدھ نے جب اپنی زندگی میں لوگوں کو تکالیف اور دکھوں میں دیکھا تو انھوں نے دکھوں کو ختم کرنے کے لیے جنگل میں تپ کیا جس کی بدولت انھیں گیان حاصل ہوا اور اس گیان کی عظیم سچائی یہ ہے کہ

> "دکھ دنیا کی اصل حقیقت ہے۔ دکھ کا سبب خواہشات ہیں اور خواہشات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ایسا نروان سے ممکن ہے۔"(۴۲)

زیر نظر افسانے کی بنیاد گوتم بدھ کی اسی عظیم سچائی یعنی ست یگ (خیر و برکت والا زمانہ) کے بعد آنے والے زمانے کل یگ پر استوار ہے۔ یعنی ایسا دور جس میں اچھائی ختم ہو جائے گی اور ہر طرف برائی چھا جائے گی۔ اس دور کو افسانے میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ

"ہر طرف بھوک اور بیماری کا دور دورہ ہے۔۔۔لوگ دکھ اور درد کے جال میں پھنسے سٹپٹا رہے ہیں اور نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ ماں بچے کو بیچ رہی ہے۔ بیٹا باپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ انسان، انسان کا دشمن ہو رہا ہے۔ اندھیرے مکانوں میں لوگ ایسے زندگی گزار رہے ہیں۔ جیسے گندی نالیوں میں کلبلاتے ہوئے کیڑے اوران کے اندھیری زندگی میں روشنی کا کوئی گزر نہیں۔"(۴۳)

افسانے میں گوتم بدھ سے اثر پزیر کردار مہارشی کو پیش کیا گیا ہے۔ جو بدھا کی طرح گھنے جنگل کے بیچ و بیچ تپ کیا کرتے تھے۔ ایک بار ان کے من کو کھٹکا لگا کہ ست یگ کے بعد آنے والے لوگ دکھوں کا شکار ہوں گے۔ لہذا ان لوگوں کو دکھوں سے بچانے کے لیے مہارشی نے سمادھی پر بیٹھنے کا فیصلہ کیا اوراپنے مادی جسم کی دیکھ بھال کے لیے اپنے یوگ بل سے ایک رشی کنیا کو پیدا کیا اور اسے سب کام کاج سمجھا کر خود سمادھی پر بیٹھ گئے۔ مہارشی کے اندر وہی گوتم بدھ والی کھوج تھی۔ ان کا من بھی دکھوں کے کارن بیاکل تھا۔ وہ لوگوں کو زندگی کے دکھوں سے مکتی دلانا چاہتے تھے۔ لہذا وہ مہاتما بدھ کی طرح کئی عرصہ ریاضت میں مشغول رہے۔ اس دوران رشی کنیا کٹیا کے ضروری اور معمول کے کام کر دیا کرتی تھی اکثر وہ سوچتی تھی کہ

"مہارشی کی تپسیا کامیاب ہو گئی تو آنے والے یگوں میں لوگوں کا کلیان ہو جائے گا۔"(۴۴)

ریاضت میں مشغول مہارشی کے ماتھے پر چمکتے ہوئے نور کی لو کو دیکھ کر کنیا کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ روشنی دنیا کے دکھوں کا اندھیرا دور کر دے گی۔

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق دنیا کی چمک دمک دھوکا ہے، ہر شے فانی ہے، کسی بھی شے کا ابدی وجود نہیں سب مایا ہے اس تعلیم کا ذکر اس افسانے میں نظر آتا ہے جب رشی کنیا مہاراج سے پوچھتی ہے کہ آپ کو طوفان کی آمد کا کیسے علم ہوا؟

"مہارشی بولے وہ سب مایا تھی۔۔۔مایا نے ہی آدھی رات کو تمہاری نیند اچاٹ کی تھی۔ مایا نے ہی تجھے اپنی شکتی سے پھولوں کی ناؤ پر بٹھایا۔ مایا نے ہی جل پری بن کر تمہیں موتی پیش کیا۔۔۔ہاں سب نظر کا دھوکا تھا۔۔۔مایا نے ہی سرودر کے پانی میں تجھے کل جگ کی جھلک دکھائی۔ مایا نے ہی مجھے سمادھی کی اوستھا میں بتایا کہ سرودر میں طوفان آیا

ہے۔اوررشی کنیا ڈوب رہی ہے۔اسلیئے مجھے سمادھی توڑ کر تمہاری ڈوبتی ہوئی ناؤ کو کنارے پر لگانا پڑا"(۴۵)

دنیا کی چمک میں یہ خاص بات ہے کہ ہر خاص و عام کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے لہذا مہارشی اور رشی کنیا دونوں ہی مایا کے جال میں پھنس گئے۔مایا نے دونوں کو ان کے رستوں سے ہٹا دیا۔مایا کے کارن مہارشی کو اپنی سمادھی کو ترک کرنا پڑا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔جبکہ رشی کنیا کو گوتم جیسے غلیظ شخص کی ہوس زدہ نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔

رشی کنیا اپنی زندگی میں خوش تھی مگر انسان کی فطرت ہے کہ وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا اسی لیے قدرت نے اسے جوڑوں کی صورت میں زندگی کو آسان بنانے کا گُر سکھلایا۔ افسانے کی رشی کنیا بھی تنہائی سے اکتا کر کچھ رنگ برنگے پھولوں کی کایا بدل کر ان میں جان ڈال دیتی ہے اور اس طرح جنم لینے والی سہیلیوں کے ساتھ وہ اپنے وقت کو کھیل کود کر گزارنے لگتی ہے۔مگر مہارشی کو اس کی شادی کی فکر لگ جاتی ہے جو انہیں اس کی تمنا کے مطابق ایسا بر ڈھونڈنے کے سفر پر روانہ کر دیتی ہے۔جو دنیا کو آنے والے دکھوں سے نجات دلا سکے۔ افسانے میں گوتم بدھ کی تعلیمات کے علاوہ مصنف نے ایک ایسے کردار کو پیش کیا ہے۔جس کو رشی کنیا گوتم کے نام سے پکارتی ہے۔"ارے گوتم تمھیں ان اناتھوں کی مدد کرنی چاہیے۔"(۴۶)مگر یہ کردار اس نام کی لاج نہیں رکھتا۔نام تو گوتم ہے مگر اس کے اندر گوتم والی خصوصیات موجود نہیں اس کی حرکات انتہائی گھٹیا اور غلیظ ہیں۔بظاہر تو یہ کردار بڑا ہی خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔اس کا لباس اعلیٰ قسم کا ہے۔مگر مانگنے والوں کو نہ صرف دھتکار تا بلکہ انھیں گالیاں بھی دیتا۔عورتوں کو غلیظ نظروں سے دیکھتا حتٰی کہ رشی کنیا جب اسے بھیکاریوں کی مدد کرنے کو کہتی ہے تو وہ اسے بھی میلی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیتا ہے۔کہ

"ان کی تو نہیں مگر میں تمھاری مدد ضرور کر سکتا ہوں یہ کہتے ہوئے اس آدمی نے غلیظ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول دیا چلو چلتی ہو۔"(۴۷)

اس کی یہ حرکت رشی کنیا کو تعجب اور سوچ میں ڈال دیتی ہے کہ کیا آنے والے دور میں لوگ رشی کنیا کی طرف بھی میلی نظروں سے دیکھا کریں گے اور وہ بھی گوتم جیسے لوگ۔

یہ فنتاسی کہانی ہے جس میں مصنف نے آنے والے وقت کا حقیقی عکس پیش کیا ہے کہ جس میں لوگوں کو دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔اور لوگ زمانہ جاہلیت سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہوں گے وقت کی قید سے

آزاد ہو کر آنے والے زمانوں کو آشکار کرنا بظاہر ناممکن عمل ہے مگر مصنف نے تخیل کے بل بوتے پر اس ناممکن عمل کو ممکن بنا کر قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے کہانی میں کرداروں کی پیش کش قابل تحسین ہے۔ مصنف نے ایک ہی کردار سے کہانی کا آغاز کیا مگر کہانی جوں جوں آگے بڑھتی ہے تو اسی حساب سے کرداروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک کردار سے دوسرا کردار اور دوسرے سے مزید کردار جنم لیتے ہیں۔ جو کہانی کو وسعت دیتے ہیں۔ مصنف نے ہر کردار کو اس کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ کہانی میں اجاگر کیا ہے۔ ہر کردار کو اس کے دور کے مطابق پیش کرنا مصنف کی فنکارانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اچھے اور پر امن زمانے کے کرداروں کو نیک اور پاکیزہ جبکہ سیاہ دور کے کردار کو دکھاوے اور بد اخلاقی جیسی بیماریوں کا شکار دکھایا گیا ہے۔ کہانی میں کرداروں کی نہ تو بھیڑ ہے اور نہ ہی کمی۔ کرداروں کی مناسب تعداد کہانی کو عام فہم بناتی ہے اور قاری کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار بھی نہیں ہوتا۔

اگر زمانہ حال کو افسانے کی روشنی میں دیکھا جائے تو افسانے میں بیان کردہ سیاہ دور کی خرابیاں آج کے معاشرے میں دکھائی دیتی ہیں۔ آج کا دور افسانے میں پیش کردہ کردار گوتم جیسے کرداروں سے بھرا پڑا ہے۔ دکھاوا، تعصب پسندی، بد اخلاقی، جہالت، گمراہی، بے راہ روی اور ناداروں کا استحصال عام ہے۔ ضمیر اور احساسات صرف کتابوں میں زندہ ہیں۔ رشوت، حرام خوری اور ناانصافی جیسی بیماریوں نے معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ معاشرے کی بنیادوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق استوار کریں کیوں کہ انسانیت کی بقا اسی میں مضمر ہے۔

زندگی اور غم کے سلسلے کی ایک اور اہم کہانی "راج محل" ہے جو کہ شہناز رحمٰن کا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ان کے افسانوی مجموعے نیرنگ جنوں میں شامل ہے جو کہ ۲۰۱۶ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا۔ شہناز رحمٰن اپنی چند تحریروں کے ساتھ آسمان ادب پر چھا جانے والوں میں ایک اہم نام ہیں۔ ان کے ہاں موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے۔ راج محل افسانے میں تاریخی حقائق کو بڑی چابک دستی سے پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے ادبا مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً

> "بھگوان گڈوانی۔۔۔ کو ایک غیر جانب دار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن تھی۔ انہوں نے اپنی تلاش و جستجو سے جو حقائق معلوم کئے ان کو عوام تک پہنچانے کے لیے تاریخی ناول کا سہارا لیا۔"(۴۸)

مصنفہ نے زیر نظر افسانے میں تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے اسی صورت کو اپنایا ہے۔ انھوں نے افسانے میں مرکزی کردار پرارڑنی دیوی کو پیش کیا ہے اور اس کردار کی زبانی شاہی محل کے راجاؤں کا تعارف بڑی تفصیل سے کروایا ہے اس تعارف میں انھوں نے غیر جانب دار مورخ کی طرح کا رویہ اپنایا ہے۔ کہ ان کا مقصد افسانے کے ذریعے مخصوص دور کے تاریخی واقعات اور کرداروں کی اصلیت کو عوام تک پہنچانا ہے۔ افسانے میں نہ صرف شاہی محل کے راجاؤں کا تفصیلی تذکرہ ہے بلکہ بدھ مت کی تعلیمات، گوتم بدھ کے مندر اور لمبینی کے تاریخی مقام کپل وستو کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس کو واضع کرنے کے لئے مصنفہ نے ایک ایسی عورت کی کہانی کو بیان کیا ہے جو کہ کثیر الجہتی شخصیت کی مالک ہے۔ مگر اس کی بد نصیبی نے اسے لاوارث بنادیا۔ گوتم بدھ کی کھوج کے مطابق دنیا میں دکھ ہیں اس تعلیم کے مطابق پرارڑنی دیوی آغاز تا اختتام دکھوں کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً دادی کی محبت نے ماں سے الگ کر دیا۔ دادی کی وفات کے بعد تنہائی اس کا مقدر بنی۔ للتا سندری کے ہاتھوں بک کر آئی اور نشئی بہل مان سنگھ سے بیاہی گئی۔ نشئی شوہر نے گھر سے نکال دیا۔ معصوم بیٹی بھی چھن گئی۔ رحمان چھوڑ کر رام کی پجاری بن گئی۔ مصنفہ نے اس کردار کو بڑی مہارت سے تراشا ہے۔ اور اس کی ظاہری صورت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> "پرارڑنی دیوی کے ہاتھوں میں پیتل کے کنگن اور گلے میں کنٹھ مالا، ساڑی ٹخنوں کے اوپر، بودھشٹ مذہب کی مداح۔۔۔ ہر کام میں لکھنؤ کی نزاکت۔ گیتوں اور نیپالی سر کی عاشق۔"(۴۹)

پورا افسانہ اسی کردار کے گرد گومتا ہے۔ یہ کردار بدھشٹ مذہب کی مداح ہے۔ اس مذہب کی بنیاد اخلاقی تعلیمات پر ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق۔

> "بہ حیثیت انسان ہم سب کے دل میں محبت و رحم کے جذبات ہونے چاہئیں۔ کسی کو بھی بلاوجہ نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ انسان تو انسان جانور کو بھی تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ نہ ہی کسی کی جان لینی چاہیے۔"(۵۰)

پرارڑنی دیوی انہی تعلیمات کے پیش نظر ماہوار رسالہ شاہین میں ظلم و تشدد کے خلاف قلم کی بے باکی دکھاتی تھیں۔

افسانے میں کپل وستو اور گوتم بدھ کے مندر کے تذکرے کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کپل وستو لمبینی کا مشہور مقام ہے۔ جہاں پر گوتم بدھ پیدا ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ

"بادشاہ اشوک نے اپنی تخت نشینی کے بیس سال بعد لمبینی باغ میں ایک ستون نصب کروایا تھا۔ جس کی شکل گھوڑے جیسی تھی اور اس پر ایک تحریر کندہ کروائی یہاں بدھ پیدا ہوئے بعد میں آسمانی بجلی گرنے سے یہ ستون گر گیا تھا۔"(۵۱)

مصنفہ نے اسی مقام کا تذکرہ افسانے میں کیا ہے۔ راجستھان کے مہاراجہ اپنے خاندان کے ساتھ گوتم بدھ کے مندر کے درشن کرتے ہیں۔ پرارڑنی دیوی بھی ان کے ہمراہ ہے۔ یہاں پر مصنفہ نے کہانی کو نیا موڑ دینے کے لیے ایک پاگل کردار کو کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ جو راجہ کو ہٹاؤ، دیس بچاؤ کے نعرے لگا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے پولیس اسے حراست میں لے لیتی ہے۔ پرارڑنی دیوی کی نظر جب اس پاگل شخص پر پڑی تو ان کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ کہ یہ پاگل شخص اس کا اپنا مجازی خدا بہل مان سنگھ تھا۔ جس کی حالت اس کے کرموں کا نتیجہ تھی۔ اس حوالے سے گوتم بدھ کا خیال ہے کہ

" انسان سے جو عمل سرزد ہوتا ہے اس کا ذمہ دار انسان خود ہے۔ اور کوئی بھی خارجی ذریعہ اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر انسان برے اعمال کرتا ہے تو اسے ان اعمال کے نتائج کے لئے بھی تیار رہنا ہو گا۔ کیوں کہ ہر عمل کا نتیجہ فطرت کے عین مطابق ظاہر ہوتا ہے۔"(۵۲)

بہل مان سنگھ بدھ مت کا پیروکار نہ تھا مگر اس کا گوتم بدھ کے مندر میں ہونا دراصل پرارڑنی دیوی کے بدھ مت سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔ وہ اسی کی تلاش میں مندر کی خاک چھانتا دکھائی دیتا ہے۔ ذہنی توازن کھو جانے کے باوجود اس کے ہاتھ میں بیٹی کی تصویر اور ہونٹوں پر گایتری منتر اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان پاگل ہو کر بھی اپنوں کی پہچان نہیں بھول پاتا۔ اس کے دل میں اپنوں کی محبت کی چنگاری سلگتی رہتی ہے۔

تاریخ سے گہری وابستگی اور تہذیبی شعور کی بدولت افسانے میں مقامی زبانوں کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ ہندی اور انگریزی الفاظ کا استعمال اس طرح سے کیا گیا ہے کہ عبارت میں بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا بلکہ یہ الفاظ افسانے کی معنویت میں اضافہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کرداروں کی پیش کش موقع محل کے مطابق ہے۔ مصنفہ نے مرکزی کرداروں کی پیش کش میں جزیات نگاری سے کام لیا ہے جس سے کرداروں کی شخصیت کھل کر قاری کے سامنے آتی ہے۔

گوتم کے فلسفیانہ تصورات زندگی اور غم کے سلسلے کا ایک اور اہم افسانہ "مہاتما بہت دکھ ہیں" ہے جو کہ احمد اعجاز کی تخلیق ہے، یہ افسانہ رابعہ الربا کی مرتب شدہ کتاب بعنوان "اردو افسانہ عہدِ حاضر میں" کی جلد

اول میں موجود ہے جو کہ ستمبر ۲۰۱۷ میں ملتان انسٹی ٹیوٹ پالیسی اینڈ ریسرچ، ملتان سے شائع ہوئی۔ مصنف نے کہانی کی بنیاد گوتم بدھ کی پہلی عظیم سچائی پر رکھی ہے جس کے مطابق:

"زندگی سے تکلیفیں جڑی ہوئی ہیں انھیں زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔"(۵۳)

اس حوالے سے مصنف نے ایک مرکزی کردار کو پیش کیا ہے جو کہ افسانہ نگار ہے اور جس کے پاس بہت سے لوگ اپنی اپنی کہانی لکھوانے آئے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک غربت کا مارا شخص ہے جو کہ بم دھماکے میں مفت میں مارا گیا۔

"تم۔۔۔! تمہارا جسم تو کچھ دن پہلے بم دھماکے میں چیتھڑے چیتھڑے ہوا تھا؟"

"ہاں میں وہی ہوں۔۔۔ مفت میں مارا جانے والا۔۔۔"(۵۴)

دوسرا چائے فروش ہے جس کا مالک اسے ایک وقت کی روٹی دے کر پورا دن کام کرواتا ہے اور جس کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں لہذا وہ رات اسٹیشن پر ہی سوتا ہے۔ جب کہ تیسری ایک نوجوان لڑکی ہے جس کو اس کا محبوب دھتکار چکا ہے۔ اسی طرح کہانی لکھوانے والوں کی بھیڑ سے افسانہ نگار کا کمرہ بھرا ہوا ہے۔ افسانہ نگار ان سب کے دکھوں کو سن کر اس دن کو کوستا ہے جس دن اس نے پہلی کہانی لکھی تھی۔ اس وقت وہ جوان تھا اور ایک تعلیمی ادارے میں اپنا فرض پورا کر رہا تھا۔ ایک بار چھٹی والے دن وہ حسین فطری مناظر کی جانب چل نکلا۔ اسے درختوں، پرندوں اور ہریالی سے بچپن سے ہی انس تھا۔ وہاں اس نے دیودار، چیڑ اور اخروٹ کے پیڑ دیکھے لیکن ان پیڑوں پر اسے پرندے اور ان کے آلنے دکھائی نہیں دیئے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے دیودار کی نسل کو تباہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے پرندوں کے گھونسلے تنکا تنکا ہو گئے ہیں۔ انسان کی بے حسی اور مفاد کی وجہ سے درخت اور پرندے اجڑ گئے۔ دیودار کے بقول

"جب انسان نے میری نسل کو زمین بوس کرنا شروع کیا تو پرندوں کا کوئی گھر نہ رہا ان کے آلنے تنکا تنکا ہو گئے اور جب ہم انہیں حفاظت نہ بخش سکے تو ان کا اعتماد ہم سے اٹھ گیا۔ اور ہمارا انسانوں سے۔ ہمارے اجڑنے سے ہمارے جسموں پر بسیرا کیے دیرینہ ساتھی انسانی خوراک بننے کے ساتھ ساتھ ان کے گھروں میں آہنی پنجروں کے انقباض زدہ ماحول میں قید بھی ہوئے۔"(۵۵)

وہ ایک دن اپنے دوست دیودار سے چار ہزار پرانی کہانی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے دیودار اسے عہد با عہد کہانی سنانے لگتا ہے۔ کہانی میں جہاں انسان کی بربریت، مظالم، بے حسی اور وحشت زدگی کا تذکرہ آتا تو وہ

دکھی اور ندامت کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے اور جہاں دکھوں سے نجات دلانے والے شہزادے سدھارتھ کا ذکر آتا تو اس کا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔ اس روز اپنے دوست سے سدھارتھ کی کہانی سن کر واپس آتے سمے اسے ایک غریب شخص ملا جس کے چہرے پر خون کی کمی کے آثار نمایاں تھے اور جس کے پاس ڈاکٹر کی فیس کے علاوہ دوائیوں، پھلوں اور جوس کے پیسے نہ تھے۔ یہی شخص اس کی پہلی کہانی کا سبب بنا۔ یعنی افسانہ نگار کو کہانی کار دنیا والوں کے دکھوں نے ہی بنایا۔

یہ افسانہ آغاز تا اختتام دکھوں کے تذکرے سے مزین ہے ۔ کہانی میں مصنف نے جہاں دنیا کے دکھوں کا تذکرہ کیا ہے وہی پر دکھوں کی حقیقت بتلانے والی تاریخی شخصیت گوتم بدھ کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس کو مصنف نے امن، سکھ اور برکت کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ مصنف نے تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے غیر جانبدار مورخ کی طرح گوتم بدھ کی تعلیمات اور کردار کی چند خوبیوں کو کہانی کی صورت میں عوام کے سامنے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

☆ سدھارتھ شہزادہ ہونے کے باوجود پر تعیش ماحول کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ تمام آزائیشوں کے باوجود اداس اور متفکر رہتا تھا۔

☆ اس میں احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جب وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو غربت کے باعث پریشان، دکھی اور بے حال دیکھتا تھا تو اس کے اندر بے اطمینانی بڑھ جاتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ محل سے نکل کھڑا ہوا تاکہ دنیا کے دکھوں کا کارن جان کر لوگوں کے دکھ کم کر کے خوشیاں بانٹ سکے۔

☆ اس کی شادی کم عمری میں ہوئی اور شادی کے تیرہ برس بعد اس کے بیٹے نے جنم لیا۔

☆ جنگل میں درخت کے نیچے کڑی تپسیا سے اس پر صداقت منکشف ہوئی اور وہ بدھ بن گیا۔ اس کا شمار صاحب بصیرت لوگوں میں ہونے لگا۔

☆ وہ اس راز سے آشنا ہو گیا کہ یہ سنسار سارے دکھوں کی آماجگاہ ہے لہٰذا اس نے گلی گلی، شہر شہر، گاؤں گاؤں گھوم کر امن، سلامتی، برکت اور سکھ کا پیغام پہنچایا۔ جس کی بدولت لوگوں کے درمیان اسے اونچا مقام و مرتبہ ملا۔

مصنف نے کہانی میں انسانوں کے علاوہ درختوں اور پرندوں کے دکھوں کو پیش کر کے انسانوں پر طنز کیا ہے کہ پرندے اور درخت انسانوں کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ کر تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ انسان نے کئی کئی ہزار سال پرانے پیڑوں کو کاٹ کر نہ صرف قیمتی سرمائے کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ پرندوں کو ان کے

آشیانوں سے بھی بے گھر کیا ہے۔ مزید یہ کہ پرندوں کو انسان نے اپنے گھروں میں قید کر کے ان کی آزادی سلب کر لی۔

۲۔ غم اور خواہش

گوتم بدھ کے افکار کے مطابق دکھوں کے پس پردہ انسانی خواہشات کی کار فرمائی ہے جن کی وجہ سے انسان اپنی شخصیت الگ یا منفرد سمجھنے کی غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہی غلط فہمی بڑھ کر حرص و ہوس میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ فرد کو آنے والی زندگی کا خواہاں بنا دیتی ہے یا پھر دنیا سے دل لگانے کا موجب بنتی ہے۔ اس لئے اگر ہم اس خواہش کو مات دے دِیں تو ہماری زندگی میں غم باقی ہی نہ رہیں گے۔ غم اور خواہش کے حوالے سے "کریم لگا بسکٹ اور چیونٹیاں" اور "بے گیان گوتما" اہم افسانے ہیں۔

افسانہ کریم لگا بسکٹ اور چیونٹیاں ایک بیانیہ افسانہ ہے جس میں مصنف نے قربانی کے جذبے کی دل چسپ داستان بیان کی ہے، یہ افسانہ مشتاق مومن کے افسانوی مجموعے رت جگوں کا زوال میں شامل ہے جسے نیو رائٹرس پبلی کیشنز بمبئے نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا، یہ مجموعہ کل ۱۴ افسانوں پر مشتمل ہے اور اس کا دیباچہ سریندر پرکاش نے "دنیا کا سب سے بڑا افسانہ نگار" کے نام سے لکھا۔

"کریم لگا بسکٹ اور چیونٹیاں" ایک مزدور کی کہانی ہے جو کہ ٹرین کے ایک حادثے میں بری طرح جل گیا تھا اور اس کی حالت بہت نازک تھی ۔ وہ ایک تینتالیس سال کا آدمی تھا۔ اس کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں جن کے مستقبل کی فکر اسے ہر وقت لگی رہتی تھی۔ وہ ایک کچے مکان میں رہتا تھا جو کہ کھولی کی مانند تھا۔ وہ بہت کچھ چاہتا تھا مثلاً

> "لڑکوں کی تعلیم، لڑکیوں کی شادی ایک چھوٹے سے خوبصورت پکے گھر کی تعمیر اور دیش میں آنے والے انقلاب کا انتظار"(۵۶)

اس نے کئی بار ترقی کرنی چاہی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ حادثے کا شکار ہو گیا اس کی تمام خواہشات دھری کی دھری رہ گئیں۔ نہ وہ اپنے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا پایا، نہ ہی بیٹیوں کی شادیوں کا فرض ادا کر پایا اور نہ ہی خوب صورت پکے گھر کی تعمیر کر سکا۔ غربت اور ٹرین حادثہ اس کی ان تمام خواہشات کو چکنا چور کر دیتا ہے۔ اب اس کے پاس سوائے جلے ہوئے جسم اور دکھوں کے کچھ بھی نہیں۔ حادثے میں جل جانے کے بعد وہ سوچتا ہے کہ

"اب میں اپنے گھر والوں کے لیے ان چاہا بوجھ ہوں۔۔۔اب میں اپنے گھر والوں کو سوائے دکھ کے اور کچھ نہ دے سکوں گا۔"(۵۷)

مشتاق مومن کا یہ افسانہ گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق خواہشات دکھ کا باعث ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا اپنی کتاب بین الاقوامی مذاہب میں لکھتے ہیں کہ

"زندگی کی اصل حقیقت دکھ ہے۔ دکھ کے اسباب جسمانی کیفیت، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کی مجبوری، عزیزوں کی دوری، ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہنا ہوسکتے ہیں۔ گوتم کے نزدیک زندگی کی عارضی مسرتیں بھی دکھ کا باعث بنتی ہیں۔ کیوں کہ جب مسرتیں رخصت ہوتی ہیں تو وہ اپنے پیچھے دکھ چھوڑ جاتی ہیں۔"(۵۸)

مرکزی کردار بھی دکھوں کا شکار ہے۔ وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھا۔ مصنوعی سانسوں نے زندگی سے اس کا رشتہ جوڑا ہوا تھا۔ ان مصنوعی سانسوں کے بغیر وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا۔ مڑے ہوئے ہاتھ، جلا ہوا جسم اور اس سے جھانکتا ہوا سرخ وسیاہ گوشت لیے وہ بیڈ پر لیٹے اپنا محاسبہ کرنے میں مصروف دکھائی دیتا کہ اس نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ یہ سوچیں اسے فکر مند کر دیتیں۔ دکھ اس کو ہر وقت گھیرے رکھتے۔ غریبی اور ناداری کی وجہ سے اسکی بیوی وقت سے پہلے بوڑھی دکھائی دینے لگی۔ جس ہسپتال میں داخل تھا اس کے نزدیک ایک نیم کا درخت تھا۔ جسے وہ دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے سرہانے تپائی پر رینگتی ہوئی چیونٹیاں اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائے رکھتی تھیں۔ اس مقام پر افسانہ نگار کہانی کو ایک نیا موڑ دیتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ چینی کی پلیٹ میں بسکٹ رکھ کر پلیٹ کو پانی سے بھر دیتا۔ چیونٹیاں خوشبو محسوس کر کے بسکٹ تک پہنچنے کی کوشش کرتی مگر نہ پہنچ پاتی کیوں کہ بسکٹ تک رسائی کے لیے چیونٹیوں کو پانی پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس عمل میں بہت سی چیونٹیاں مر گئی۔ مری ہوئی چیونٹیاں زندہ چیونٹیوں کے لیے پل کا کام دینے لگی۔ اس طرح زندہ چیونٹیاں اس پل سے گزر کر بآسانی بسکٹ تک پہنچ گئی۔ اس طرح مردہ چیونٹیاں زندہ چیونٹیوں کے لیے رزق کا وسیلہ بنتی ہیں۔ دراصل چیونٹیوں کی تگ ودو عام انسان کے لیے محنت کی علامت ہے کیوں کہ مسلسل محنت سے انسان مشکل سے مشکل کام سرانجام دے سکتا ہے۔ مرکزی کردار جب چیونٹیوں کا عمل دیکھتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اسے بھی چیونٹیوں کی طرح اپنی فیملی کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہیے تاکہ اس کی فیملی بھی بہتر اور خوشحال زندگی بسر کر سکے کیوں کہ اس نے سن رکھا تھا کہ ٹرین حادثے

میں ہلاک ہونے والوں کو حکومت کی جانب سے رقم دی جارہی ہے۔ لہذا وہ آکسیجن کی نلی کو ناک سے ہٹادیتا ہے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے قربانی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

افسانے کا بنیادی محرک تصور گوتم یعنی غم اور خواہش ہے۔ غم اور خواہش انسان کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ خواہشات انسان کو جہاں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں وہی دکھ بھی دیتی ہیں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق دنیامیں دکھ ہی دکھ ہیں اوران دکھوں کی وجہ خواہشات ہیں۔ مگر خواہشات پر قابو پاکر دکھوں کو کم کیاجاسکتاہے۔ مرکزی کردار ٹرین حادثے کے بعد خود کو بوجھ صرف اس لیے سمجھتاہے کیوں کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے وہ سب نہیں کرپائے گا جو اس نے خواہشات سوچ رکھی تھیں۔ خواہشات اس کو دکھی کردیتی ہیں اور وہ انہی خواہشات کی تکمیل کے لیے موت کو گلے لگالیتاہے۔

مصنف نے تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے کشاکش کے موضوع کو پیش نظر رکھا ہے۔ انہوں نے ٹرین حادثے میں جلے ہوئے مزدور کے احساسات کو کہانی بنا کر پیش کیا ہے اور اس کہانی میں دل چسپی قائم کرنے کے لیے چیونٹیوں کی قربانی کا تذکرہ کیاہے۔ جس سے کہانی نیارنگ لے لیتی ہے۔ مصنف نے اس کشمکش کے ذریعے سے قربانی کے جذبے کو عمدہ اورآسان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ کہانی نہ صرف اپنے عہد بلکہ موجودہ دور کے عہد کی سماجی برائیوں پر نشتر زنی کرتی ہے۔ مشتاق مومن نے ایک غریب مزدور کی کہانی سے یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ ہر طرح کی تکالیف کا شکار سماج کا غریب طبقہ ہی ہوتا ہے۔ غریب کے بیوی بچے اس کا سکھ ہونے کی بجائے اس کے دکھوں کا باعث بنتے ہیں کیوں کہ وہ ان کی پرورش، تعلیم اور بہتر مستقبل کی خاطر دن رات محنت مزدوری کرتا ہے مگر پھر بھی ان کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر رہتاہے حتی کہ انہی پریشانیوں میں وہ اس دنیاسے کوچ کرجاتاہے۔

اسی سلسلے کا ایک اور اہم افسانہ "بے گیان گوتم" ہے جسے منیرہ شمیم نے تخلیق کیا ہے جو کہ ان کے افسانوی مجموعے "بے گیان گوتم" میں شامل ہے جو کہ پورب اکادمی، اسلام آباد سے نومبر ۲۰۱۰ میں منظر عام پر آیااور کل بارہ افسانوں اور دو مضامین پر مشتمل ہے۔ اس افسانے کا شمار ایسے افسانوں میں ہوتا ہے کہ جن میں تاریخی کردار گوتم بدھ کے فلسفیانہ تصورات یعنی غم اور خواہش اور کرداری خصوصیات کا تذکرہ موجود ہے اس حوالے سے مصنفہ نے کہانی میں اہم کردار ایاز کو پیش کیا ہے جو کہ افسردگی اور تنہائی کا شکار ہے ۔ ایمان نامی لڑکی سے محبت کی شادی کے باوجود دونوں کے درمیان میلوں کی دوریاں ہیں۔ ایمان ایک عیاش

پسند لڑکی ہے جس کو دوستوں کے ساتھ پارٹیاں کرنا اور رات دیر تک باہر رہنا پسند ہے۔ انہی سرگرمیوں کی وجہ سے اس کا شوہر ایاز تنہائی اور افسردگی کا مجسمہ بنا پھرتا ہے۔ اس کی تنہائی کو مصنفہ نے یوں بیان کیا ہے کہ:

"کمرے کی خاموشی میں بھائیں بھائیں کرتا ہوا ایک ایسا شور سنائی دیا جیسا اس کے اندر تھا۔ بے آواز شور۔۔۔ اور چیخیں۔۔۔ صحرا میں بگولوں کی صورت اسے اپنے اردگرد اڑتی دکھائی اور سنائی دیں۔ اس کے اندر کی گھٹن کا سارا درد اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔ زندگی میں پہلی بار اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہے۔ بالکل اکیلا۔۔۔"(۵۹)

اس کی اداسی اور ذہنی خلفشار دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کسی ایک راہ کا انتخاب نہیں کر پا رہا تھا۔ اسی کارن وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ مصنفہ نے جہاں ایک طرف ایاز کی بے بسی، ذہنی انتشار، روزمرہ کی دشوار زندگی اور قوت فیصلہ کی کمزوری کا عروج دیکھایا ہے وہی دوسری طرف ایک تاریخی شخصیت گوتم بدھ کی مضبوط قوتِ فیصلہ کا ذکر کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنی زندگی سے دکھوں کا خاتمہ مضبوط قوتِ فیصلہ سے کر سکتا ہے۔

مرکزی کردار آغاز تا اختتام مسلسل کرب میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ تنہائی کے عالم میں وہ اپنی ان سب خواہشات کے بارے میں سوچتا ہے جو کہ اس نے اپنی شادی شدہ زندگی کے لئے سوچ رکھی تھی۔ یہ خواہشات اسے ماضی سے جوڑے رکھتی ہیں۔ انہی خواہشات کی بدولت وہ دکھوں سے نکل نہیں پاتا۔ ابو احمد مولانا محمد انس لکھتے ہیں کہ:

" زندگی میں جو کچھ بھی پریشانیاں، غم وغیرہ آتے ہیں ان کی ایک اہم وجہ انسان کی خواہش اور آرزو ہے۔۔۔ جسے ختم کر کے ہی دکھوں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے"(۶۰)

کچھ ادیب تاریخی دور کو نئے سرے سے زندہ کرنے کے لئے تاریخی واقعات کو رومان انگیز انداز میں سامنے لاتے ہیں اور کہانیوں کی صورت میں تاریخی واقعات کی یاد تازہ کرتے ہیں مصنفہ نے بھی اسی روش کو اختیار کرتے ہوئے گوتم کی زندگی سے جڑے واقعات اور کرداری خصوصیات کو سامنے لایا ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار ایاز میں گوتم بدھ والی خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً

☆ گوتم بدھ نے جب راہ چلتے لوگوں کو دکھوں میں دیکھا تو ان کا دل کرب سے دوچار ہو گیا ان کی بے چینی مسلسل بڑھتی چلی گئی۔ بالکل اسی طرح اس کہانی کا مرکزی کردار ایاز دکھوں اور ذہنی انتشار کا شکار نظر آتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تاریخی کردار گوتم بدھ کو لوگوں کے دکھوں نے بیاکل کیا جبکہ ایاز کو اس کے ذاتی دکھ افسردہ کرتے ہیں۔

☆ گوتم بدھ کی طرح مرکزی کردار بھی بے چین و بے قرار ہو کر رات کو اپنی بیوی کو سوتا ہوا چھوڑ کر گھر سے نکل جاتا ہے۔

"اس رات اس نے اپنے کپڑوں کا چھوٹا سا بیگ اٹھایا اور سوئی ہوئی ایمان پر گوتم کی سی نظر ڈالی۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔"(۶۱)

مگر فرق یہ ہے کہ گوتم بدھ گھر تیاگنے کے بعد اپنے فیصلے پر تمام عمر کاربند رہتے ہیں جبکہ مرکزی کردار گوتم بدھ کی طرح مضبوط نہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ گوتم نے آخری بار بیوی بچوں کو دیکھا ہو گا تو اسے بھی بچھڑنا مشکل لگا ہو گا لیکن گوتم نے میری طرح پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا ہو گا ورنہ وہ بھی کشمکش کا شکار ہو جاتا اسے محسوس ہوتا ہے کہ ایمان اور گھر بار اسے اپنے وجود اور ذات سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ اور نہ ہی وہ گوتم ہے کہ اندر کی روشنی پا سکے۔ یہی سوچ اسے گھر واپس لے آتی ہے۔

متصوفانہ تصورات

گوتم بدھ کے متصوفانہ تصورات میں تپسیا، نروان، یوگ اور سنیاس اہم ہیں۔

ا۔ تپسیا

تپسیا کے معنی روحانی یا قلبی عبادت، ریاضت، پرستش یا پوجا کے ہیں، اصطلاح میں اس سے مراد ایسی عبادت جس کے لئے انسان کو کڑی مشقت کرنی پڑے۔ گوتم بدھ کے افکار میں تپسیا کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اسی کی بدولت انہیں نروان حاصل ہوا تھا اسی بنا پر اردو افسانہ نگاروں نے تپسیا کو اپنے افسانوں میں مخصوص انداز میں پیش کیا ہے اس حوالے سے نمائندہ افسانہ "پچھتاوا" ہے جو کہ انتظار حسین کی تخلیقی کاوش کا نتیجہ ہے یہ افسانہ انتظار کے افسانوی مجموعے خالی پنجرہ میں شامل ہے جسے سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے میں کل سترہ افسانے ہیں۔ اس افسانہ کا بنیادی محرک پیدائش اور دکھ ہے، دکھ انسانی زندگی سے اسی طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے جسم سے روح یا پھول سے کانٹے، دراصل یہ ایک ایسے شخص

کی کہانی ہے جو دنیا میں آنے کے بعد دکھوں سے نجات پانے کے لئے کڑی تپسیا کرنے کے لئے گھر بار تیاگ دیتا ہے۔

یہ افسانہ تاریخ بطور افسانہ کا عملی نمونہ ہے، تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے انتظار حسین نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اس حوالے سے انھوں نے مرکزی کردار مادھو کو پیش کیا ہے جو کہ پیدا نہیں ہونا چاہتا تھا جبکہ پیدائش انسان کے اختیار میں نہیں لیکن انتظار حسین کا یہ وصف ہے کہ انھوں نے اس قدرتی عمل کو افسانے میں انسان کا اختیار بنا کر پیش کیا ہے۔ افسانے کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے کہ

> "مادھو پیدا ہو کر بہت پچھتایا مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ پیدا تو وہ ہو چکا تھا۔ اصل میں وہ ماں کے بھرے میں آ گیا۔ عجیب بات ہے کہ ماں ہی کی باتوں سے اس کے اندر یہ بات بیٹھ گئی کہ آدمی کو پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے اور ماں ہی کی باتوں میں آ کر وہ پیدا ہونے پر رضامند ہو گیا۔"(۶۲)

افسانے کی بنیاد گوتم کی بتلائی گئی عظیم سچائی "دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں" پر استوار ہے۔ مصنف نے اس المیے کو بیان کرنے کے لیے مرکزی کردار مادھو کو پیش کیا ہے جو کہ صرف اس لیے پیدا نہیں ہونا چاہتا کیوں کہ دنیا میں ہر طرف دکھ ہی دکھ ہیں اور جو بھی پیدا ہوتا ہے دکھ اسے گھیر لیتے ہیں، ماں کی باتوں سے اس کے اندر یہ ڈر بیٹھ گیا تھا کہ سکھ اس نگری میں ناپید ہے جو بھی جیو اس دھرتی پر آیا اسے دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا مادھو فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ اس اندھیر نگری میں جنم نہیں لے گا اور ماں کے پیٹ میں ہی رہے گا۔ نو مہینے پورے ہونے کے بعد جب وہ پیدا ہونے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کی ماں اسے بہت سمجھاتی ہے کہ اب وہ باہر آ جائے مگر وہ ماں سے کہتا ہے کہ

> "نہیں ماں، میں اس اندھیر نگری میں جہاں دکھ ہی دکھ ہے آنکھیں نہیں کھولوں گا چاہے میری ساری عمر تیری کوکھ میں پڑے پڑے بیت جائے۔"(۶۳)

ماں (رکمنی) نے جب دیکھا کہ پالک (مادھو) کسی صورت پیدا ہونے پر نہیں راضی تو وہ اپنے شوہر کنپت کے پاس گئی مگر مادھو نے باپ کو بھی ماں کی کوکھ میں لیٹے لیٹے یہی جواب دیا کہ

> "پتا جی پیدا ہو کے میں کیا لوں گا۔ پیدا ہونے کا فائدہ کیا ہے۔ جیون میں تو دکھ ہی دکھ ہے۔"(۶۴)

یہ سوال پتاجی کو لاجواب کر دیتا ہے کیوں کہ جنم انسان کو دکھوں کے سمندر میں دھکیل دیتا ہے اور انسان بے یارومددگار اس گہرے سمندر میں اپنی سانسوں کا بوجھ لیے ابھرتا ڈوبتا رہتا ہے۔ آخر مادھو ماں کے بے حد اصرار اور سوالوں کے تجسس کی بنا پر پیدا ہو جاتا ہے مگر پیدا ہوتے ساتھ ہی اس کو دکھ گھیر لیتے ہیں۔ اس کے ماتا پتا اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور وہ اس نگری میں تنہا رہ جاتا ہے اور پچھتاتا ہے۔ کہ نہ وہ پیدا ہوتا اور نہ ہی اس کے والدین دنیا سے سدھار جاتے وہ سوچتا ہے کہ ماں نے سچ ہی کہا تھا کہ یہ جگہ دکھوں کا گھر ہے اور اس میں جنم لینا گھاٹے کا سودا ہے۔ مگر وہ ماں کی باتوں میں آ گیا اور پیدا ہو گیا۔ نہ وہ ماں کی باتوں میں آ کر پیدا ہوتا نہ اس کو اتنے دکھ سہنے پڑتے۔ کہا جاتا ہے کہ وقت بڑے سے بڑے گھاؤ کو بھر دیتا ہے مگر مادھو جو کہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا اور باپ کا چھوڑا دھن دولت ہونے کے باوجود اس کے دکھ کم نہ ہوئے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر کنبے کے لوگوں نے اسے شادی کا مشورہ دے ڈالا مگر وہ بولا:

"میں خود دکھی ہوں۔ گھر میں کسی دوسرے جیو کو لا کر کیوں دکھی کروں۔"(۶۵)

لہٰذا مادھو شادی بیاہ، دھن دولت، ڈھور ڈنگر کے چکروں سے نکل کر جنگل بیابانوں میں جا نکلا تا کہ دکھوں کے اس سنسار سے چھٹکارا پا سکے۔ جنگلوں بیابانوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ کئی سادھوؤں، رشیوں، گیانیوں سے ملا۔ سب سے ہی پوچھتا رہا کہ جیون روگ کا اپائے کیا ہے؟ مگر کہیں سے بھی اپائے نہ مل سکا اور وہ اپائے کی تلاش میں بھٹکتا چلا گیا۔

"وہ آگے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے پاؤں جھل گئے، سوجھ گئے پر وہ چلتا چلا گیا۔۔۔ تھوڑا ٹھٹھکتا اور سوچتا کہ اس یاترا کا کوئی انت بھی ہے یا نہیں اور پھر چل پڑا۔ مگر انت کہاں، رستہ تو الجھتا لمبا ہوتا ہی چلا جا رہا تھا اور رستہ جتنا ہی لمبا ہوتا چلا گیا اس کا پچھتاوا بڑھتا چلا گیا۔"(۶۶)

انتظار حسین نے اس افسانے میں جو مرکزی کردار پیش کیا ہے اس میں گوتم بدھ والی خصوصیات موجود ہیں۔ مثلاً

گوتم بدھ کی طرح مادھو بھی ذہنی بے قراری اور بے سکونی کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ مادھو پیدا ہونے کے بعد پچھتاتا ہے اور یہی پچھتاوا اسے جنگلوں بیابانوں کی راکھ چھاننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

گوتم بدھ شادی کو بھار سمجھتا تھا۔ مادھو بھی شادی نہیں کرتا کیوں کہ اس کے نزدیک وہ خود جیون کا بھار لیے پھر رہا ہے اور اس کی زندگی میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ لہذا وہ شادی کر کے کسی اور جیو کو دکھی نہیں کرنا چاہتا۔

گوتم بدھ محل کی عیش و عشرت اور دھن دولت کو چھوڑ دیتا ہے۔ مادھو بھی باپ کی چھوڑی ہوئی دھن دولت، ڈھور ڈنگر سب کچھ برہمنوں کو دان دے دیتا ہے۔ اس کے نزدیک روپیہ پیسہ، کھیت مکان اور ڈھور ڈنگر سب بوجھ ہیں۔ سب دکھ کا باعث بنتے ہیں۔

گوتم کی پیدائش کے وقت اس کی ماں سنسار سدھار جاتی ہے بالکل اسی طرح مادھو نے جب جنم لیا تو اس کی ماں بھی دنیا سے چل بسی۔

مہاتما بدھ کی طرح مادھو کو بھی زندگی کے دکھ جنگلوں بیابانوں میں تن تنہا کڑی تپسیا پر مجبور کر دیتے ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ مہاتما بدھ کو لوگوں کے دکھ جبکہ مادھو کو اپنے دکھ جنگل کی جانب کھینچ لاتے ہیں اور مہاتما کو نروان حاصل ہوتا ہے مگر سادھو کو جیون کے دکھوں سے نجات کا اپائے نہیں مل پاتا۔ اس کی وجہ وہ ناری ہے جو اس کے حواسوں پر چھائی رہتی ہے اور وہ مارا مارا پھرتا ہے مگر اس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

پورا افسانہ گوتم کی تعلیم "دنیا دکھ ہے" کے گرد گھومتا ہے۔ مادھو پیدا ہو کر دکھوں میں گر جاتا ہے۔ اس حوالے سے امولیہ رنجن مہاپتر لکھتے ہیں کہ:

> "بدھا نے کہا پیدائش دکھ ہے۔ بڑھاپا دکھ ہے اور موت بھی دکھ ہے۔ زندگی میں تکلیف اور دکھ ہی دکھ ہے۔"(۶۷)

مرکزی کردار مادھو آغاز سے اختتام تک ایک ہی سوچ کا متحمل دکھائی دیتا ہے۔ جنم لینے سے قبل ماں کے منہ سے سنسار کے دکھوں کا تذکرہ سن کر مادھو کا پیدا ہونے سے انکار اور پھر افسانے کے اختتام تک اس کا زندگی کے دکھوں سے چھٹکارا پانے کے لیے مارا مارا پھرنا اس کی نہ تبدیل ہونے والی ذہنی فکر کا عکاس ہے۔ وقتی طور پر ایک مرحلے پر ماں کے بھرے میں آنے کی بدولت اس کی سوچ تبدیل ضرور ہوتی ہے اور وہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جب اس کے والدین سنسار چھوڑ جاتے ہیں اور وہ دکھوں میں گر جاتا ہے تو وہ اپنا موقف تبدیل کر دیتا ہے، اس کی ذہنی فکر میں تبدیلی وقتی ہوتی ہے مگر ماحول اور فطرت میں آغاز تا اختتام تبدیلی مسلسل رونما ہوتی رہتی ہے۔ اس کا ماحول آغاز میں پتا کا گھر تھا مگر والدین کی وفات کے بعد وہ ساری دھن دولت برہمنوں کو دان

کر دیتا ہے اور جنگلوں بیابانوں کی جانب چل پڑتا ہے۔ ماحول میں تبدیلی اس کی سوچ کو تبدیل نہیں کر سکتی اور وہ مارا مارا پھرتا رہتا ہے۔ اس طرح عورت سے لگاؤ فطری عمل ہے، مادھو شادی سے انکار کر کے جنگل چل پڑتا ہے اور پیڑ کے نیچے آنکھیں موند کر نہ صرف کڑی تپسیا کرتا ہے بلکہ گیانیوں، رشیوں اور سادھوؤں کے پاس جاتا ہے مگر ایک ناری جس کو وقتی طور پر چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور اس کے بلانے پر کبھی اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتا، وہی ناری اس کے حواسوں پر چھائی رہتی ہے اسی وجہ سے نروان حاصل نہیں کر پاتا۔ غرض انتظار حسین کا مادھو زندگی کے کسی بھی امتحان میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ جنم نہ لینے کا فیصلہ تو کر لیتا ہے مگر پیدا ہونا ہی پڑتا ہے۔ والدین کے ساتھ رہنے کی تمنا بھی پوری نہیں ہو پاتی۔ باپ کی دھن دولت، گھر بار اور ڈھور ڈنگر بھی سنبھال نہیں پاتا بوجھ سمجھ کر سب کچھ دان کر دیتا ہے۔ شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر کے گھر سے نکل تو پڑتا ہے مگر جنگل میں ملنے والی ناری اس کے حواسوں پر سوار ہو جاتی ہے۔ دکھوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے مگر اسے کامیابی نہیں ہوتی۔ دکھوں سے نجات اور ناری کی کھوج اسے نہ ختم ہونے والے رستے پر لے جاتی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ وہ صدیوں سے اس رستے پر چل رہا ہے۔

۲۔ نروان

نروان کے لغوی معنی مکتی، چھٹکارا، آزادی، نجات وغیرہ کے ہیں، بعض لوگوں نے اسے پیدائش کے لامتناہی سلسلے کا اختتام قرار دیا ہے جبکہ اس کی حقیقت کو الفاظ کے سانچوں میں ڈھالنا ممکن نہیں بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بدولت مصیبتوں سے چھٹکارا ملتا ہے۔ نروان کو اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے اس ضمن میں نروان سے پرے اور بازیافت اہم افسانے ہیں۔

"نروان سے پرے" ابرار مجیب کا افسانہ ہے ان کا شمار نئے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے اور غیر معمولی سماجی مشاہدے سے ترتیب پانے والی کہانیوں کی تخلیق کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ان کی کہانیوں کا مجموعہ رات کا منظر نامہ ۲۰۱۵ء میں عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی سے شائع ہوا، اس میں کل پندرہ افسانے ہیں جن میں سے ایک "نروان سے پرے" ہے۔

اس افسانے میں مصنف نے ایک ایسے آرٹسٹ کی کہانی بیان کی ہے جو ایک تصویر بنانا چاہتا ہے مگر اس کا ذہن اس سوچ میں الجھا ہوا تھا کہ وہ کون سی تصویر بنائے۔ قدرتی مناظر مثلاً شفاف ندیاں، آسمان کو چھوتے پہاڑ، ہوا میں اڑتے پرندے، لہلہاتے کھیت، درختوں کے سلسلے، مزدوروں اور کارخانوں کی سیاہ چمنیاں وغیرہ اس کے تخیل میں موجود تھے مگر ان تمام مناظر کے باوجود اسے اپنے سوال کا جواب نہ مل سکا۔ دراصل

وہ اپنے اندر خلا کو محسوس کرتا ہے۔ دنیا کے دکھوں، ظلمتوں کی دھوپ چھاؤں، ظالموں کے جبر واستبداد، اجالوں کو اندھیروں میں بدلنے والے خوابوں، خون کے بہتے دریاؤں اور انسان نما درندوں نے اس کے اندر کی دنیا کو کرب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ خوفناک منظروں کی قید سے آزادی چاہتا تھا۔ جن کی وجہ سے وہ اپنے اندر کسی مردے کے سڑنے کی بو محسوس کرتا تھا۔ کئی دن تک وہ اسی کشمکش میں رہا۔ وہ ایک ایسی تصویر کینوس پر اتارنا چاہتا تھا جو اسے خوفناک مناظر کے دائرے سے نجات دلا سکے۔ اس کے اندر خلا کو پُر کر سکے۔ آخر اس کے تخیل کے کینوس پر ایک پر سکون چہرہ ابھرا۔ مصنف نے اس کے تخیل میں ہونے والی اس تبدیلی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

> "اداسی کے پھیلتے دھوئیں کے درمیان دفعتاً ایک پر سکون چہرہ ابھرا۔ چہرہ جس نے دکھوں پر فتح حاصل کی تھی۔ مقدس ہالے کے درمیان ابدی سکون اور لافانی مسکراہٹ لیے ہوئے گوتم کا چہرہ۔"(۶۸)

آخر وہ کینوس، کلر پوٹ اور برش لے کر گاؤں کی اور گیا وہاں ایک بوڑھے کو پیپل کے نیچے بٹھایا ایسے جیسے گوتم بدھ اپنے گیان دھیان کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ اور اس بوڑھے کی تصویر کینوس پر اتاری۔ اس تصویر نے اسے مزید کرب میں مبتلا کر دیا۔ اسی اثنا میں اس نے تصویر چاک کر ڈالی۔

مصنف کا آرٹسٹ آغاز سے اختتام تک مسلسل ایک ہی کیفیت کا شکار نظر آتا ہے۔ اس کے اندر اور باہر کی دنیا یکساں ہے وہ ایک حساس شخصیت کا مالک ہے۔ اُسے اپنے اندر اور باہر کی دنیا میں ہر طرف مایوسی، دکھ، بھوک وافلاس اور بے سکونی نظر آتی ہے۔ مصنف نے اس کردار میں گوتم والی چند خصوصیات دکھائی ہیں۔ مثلاً

گوتم بدھ کی طرح کرب کا شکار نظر آتا ہے۔ اس کے اندر ایک طوفان برپا ہے جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ اس کرب سے نجات یعنی نروان کے لیے غور وفکر کرتا نظر آتا ہے۔۔

> "اس نے جنگل اور گوتم کے باہمی رشتوں پر غور کیا۔ اس نے گوتم اور مینڈھ پر بیٹھے ہوئے نیم برہنہ بوڑھے کے باہمی رشتوں پر غور کیا۔ اس نے بوڑھے اور نروان کے باہمی رشتوں پر غور کیا۔"(۶۹)

ان جملوں کے پس پردہ گوتم بدھ کی پوری زندگی کارفرماں ہے۔ جنگل اور گوتم بدھ کے درمیان گہرا رشتہ ہے کہ گوتم بدھ جب دنیا کے دکھوں سے آشنائی حاصل کرتے ہیں تو انھیں محل میں کہیں سکون میسر نہیں آتا۔ وہ سکون کی تلاش میں جنگل کی جانب چل پڑتے ہیں۔ جنگل کی شانتی میں رہ کر سنسار کے دکھوں کا کارن جاننے کے لیے تپسیا کرتے ہیں، اسی طرح گوتم اور مینڈھ پر بیٹھے ہوئے نیم برہنہ بوڑھے کے باہمی رشتوں کی اصطلاح کے پسِ پردہ گوتم کی زندگی کا وہ واقعہ ہے جب گوتم بدھ محل سے باہر سیر کی غرض سے جاتے ہیں اور راستے میں ضعیف شخص کو دیکھتے ہیں۔ کرشن کمار اس واقعے کو اپنی تصنیف گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک میں اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ

> "ایک روز شہزادے کی سواری شہر کے مشرقی دروازے سے نکل کر باغ میں واقع آرام گاہ کی طرف جارہی تھی۔ راستے میں سدھارتھ نے ایک لاچار اور عمر رسیدہ شخص کو دیکھا اور پوچھا:
>
> "اے کوچوان! یہ کمزور اور خستہ حال شخص کون ہے۔ اس کا گوشت خشک ہوگیا ہے، رگیں نمایاں ہیں، دانت جھڑ چکے ہیں اور بال سفید ہوگئے ہیں۔ لاٹھی ٹیکتے ہوئے یہ کتنی اذیت سے لڑکھڑاتا ہوا چلا جارہا ہے۔" کوچوان نے جواب دیا: "اے آقا! یہ شخص بڑھاپے کی وجہ سے کمزور، حواس باختہ، ناتواں، بے کار، دکھی اور بے سہارا ہے۔ اس لیے اس کے رشتہ داروں نے اسے گھنے جنگل میں کھڑے ہوئے دیودار کے خشک درخت کی طرح فراموش کر دیا ہے۔" یہ سن کر شہزادہ بہت دکھی ہوا اور کہنے لگا:
>
> "کیا بڑھاپا اس شخص کا خاندانی وصف ہے یا ساری دنیا کی ہی یہ حالت ہوتی ہے۔" کوچوان بولا: "میرے آقا! یہ کوئی خاندانی یا قومی وصف نہیں ہے۔ بڑھاپا دنیا کے ہر جاندار کی جوانی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ آپ، آپ کے ماں باپ، رشتہ دار اور دوست سب ہی بڑھاپے کے آگے بے بس ہیں۔ ہر جوانی کا انجام یہی ہے۔"(۷۰)

بڑھاپہ زندگی کی ایسی تلخ حقیقت ہے جس کے باعث انسان نفرت کے لائق اور بھکاری بن جاتا ہے۔ مرد و زن کی خوبصورتی، طاقت اور جوانی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ بڑھاپے کو سکھ کا دشمن اور دکھ کہا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کے کارن انسان نہ صرف بے بس اور اکیلا رہ جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بوجھ بن جاتا

ہے۔ انسان کی زندگی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بڑھاپا دکھ ہے اور اس دکھ سے نجات صرف موت کی صورت میں ممکن ہے۔

- اپنے کرب سے نجات پانے کے لیے اس نے گوتم کی طرح جنگل کی راہ لی۔
- خود کلامی دونوں کرداروں کا وصف ہے۔
- دونوں کرداروں نے پیپل کے درخت کے نیچے آنکھیں موند کر اور بیر اسن مار کر بیٹھنے کے انداز کو اپنایا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گوتم بدھا خود پیپل کے پیڑ کے نیچے بیٹھے مگر افسانے کے کردار آرٹسٹ نے خود بیٹھنے کی بجائے ایک بوڑھے کو بٹھایا۔ جس کی حالت کو مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> "بوڑھے آدی واسی۔۔۔کے جسم کا اوپری حصہ جو بے سیاہ تھا، عریاں تھا۔ دھوپ اس کی سیاہ جلد کو بے چمکیلا بنا رہی تھی۔۔۔ بوڑھے کے چہرے کی عمیق جھریاں، سکڑے ہوئے معدہ سے ہوتی ہوئی صدیوں کی بھوک اس کی بند آنکھوں پر منجمد نظر آ رہی تھی۔"(۷۱)

تاریخی کردار گوتم کی طرح افسانے کا کردار آرٹسٹ بھی دکھوں سے نجات پانا چاہتا ہے۔ اسے دنیا میں ہر طرف دکھ ہی دکھ نظر آتے ہیں۔ مصنف نے اس افسانے کی بنیاد بدھا کی پہلی عظیم سچائی یعنی سنسار میں دکھ ہی دکھ ہیں پر رکھی ہے۔ اس حوالے سے افسانے میں بیان کردہ مرکزی کردار نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی دکھوں میں مبتلا دیکھتا ہے۔ مثلاً

ایک خارش زدہ کتا جس کو مکھیوں نے گھیرا ہوا ہے اور وہ ان مکھیوں کے عتاب سے نبرد آزما ہے۔

گندگی میں رزق کی تلاش میں منہ مارتے ہوئے کچھ آوارہ کتے اور گندے سور۔

ایک لڑکا سر پر لکڑیوں کا گٹھر لیے وہ ننگی سیاہ عورت اور اس کی گود میں بچہ۔

ایک بوڑھا جس کے جھریوں والے چہرے، سکڑے ہوئے معدے اور سامنے نظر آتی پسلیوں سے صدیوں کی بھوک نمایاں ہے اور سب سے بڑھ کر آرٹسٹ کے اندر کی بے سکونی جس کی بنیادی وجہ سنسار کے دکھ ہیں۔ زندگی میں دکھوں اور غموں کے حوالے سے بدھا کے نقطہ نظر کو امولیہ رنجن مہاپتر اپنی تصنیف فلسفہِ مذہب میں اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ

"بدھا کے مطابق زندگی درد واذیت سے بھری ہوئی ہے۔ پیدائش دکھ ہے۔ بڑھاپا دکھ ہے۔ بیماری دکھ ہے۔ دکھ مسرت کا نتیجہ ہے۔ غربت، حرص، خواہش، غصہ، نفرت اور جھگڑے انسانی دکھ کی وجوہات ہیں۔"(۷۲)

یہ افسانہ انسان کے ظاہر و باطن کا ترجمان ہے۔ اس میں مصنف نے ظاہری دنیا کے ساتھ ساتھ ایک آرٹسٹ کے اندر کی کائنات کی وسعتوں کو آشکار کیا ہے جس کے گرد پورا افسانہ گھومتا ہے۔ جس کا ظاہر و باطن دکھوں کے گھیرے میں ہے۔ اسے کشمکش کا شکار دکھایا گیا ہے۔

مصنف نے اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق کو سامنے لایا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار جو کہ ایک آرٹسٹ ہے۔ آغاز تا اختتام مشکلات اور کرب کا شکار ہے۔ وہ اپنے اندر ہونے والی جنگ سے نبرد آزما ہے۔ وہ ایک ایسی تصویر بنانا چاہتا ہے جس سے اس کے اندر کا کرب ختم ہو جائے۔ اس عمل کے لیے مصنف نے آرٹسٹ اور گوتم بدھا کے درمیان ربط قائم کیا ہے۔ آرٹسٹ اپنے کرب سے چھٹکارے کے لیے گوتم بدھا کے پر سکون چہرے کو کینوس پر اتارنا چاہتا ہے۔ مگر جس بوڑھے کو وہ پیپل کی چھاؤں تلے گوتم کے پوز میں بٹھاتا ہے۔ اسکی حالت اور بڑھاپا اسے مزید کرب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے اندر اداسی اور سوگواری مزید گہری ہونے لگتی ہے۔ اور وہ نجات، نروان، نجات، نروان کہتے ہوے تصویر چاک چاک کر دیتا ہے۔ افسانے کا اختتام قاری کو نئی سوچوں میں گم کر دیتا ہے۔ میز پر پڑا قلم تراش، تازہ خالی کینوس اور آرٹسٹ کی انگلیاں ایک نئی تصویر کی جانب قاری کی توجہ مبذول کر دیتی ہیں۔

نروان کے حوالے سے دوسرا اہم افسانہ "بازیافت" ہے جو کہ ابرار مجیب کی تخلیق کا نتیجہ ہے یہ ان کے افسانوی مجموعے رات کا منظر میں شامل ہے جو کہ ۲۰۱۵ء میں عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی سے شائع ہوا اس میں کل پندرہ افسانے ہیں۔ اس افسانے میں ابرار مجیب نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ معاشرے کی بے اطمینان اور بے سکونی کا علاج مذہب میں ہے۔ اس افسانے کا شمار ان افسانوں میں ہوتا ہے جن میں گوتم بدھ کا ذکر موجود ہے۔ یہ افسانہ گوتم بدھ کی پہلی عظیم سچائی کا علمبردار ہے۔ جس کے مطابق

"زندگی کی سب سے اہم حقیقت دکھ ہے۔ ہمیں زندگی میں بیماری، پریشانی، بڑھاپا اور کئی قسم کے دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"(۷۳)

اس عظیم سچائی کو ایک گم نام کردار کے ذریعے سے قاری کی نظر کیا گیا ہے۔ اس کردار کی حالت کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ کچھ گم ہو گیا ہے۔ جو کہ بہت قیمتی تھا۔ اسی طرح جن

باتوں کو وہ فراموش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہی باتیں اس کے ذہن میں ابھرتی ہیں۔ اسے ہر طرف انتشار، بدنظمی اور خوف وہراس کا سایہ دکھائی دیتا ہے ایسے میں نہ صرف دن کے اجالوں میں ہر طرف بے سکونی دکھائی دیتی ہے بلکہ رات خواب میں بھی شہر کے سارے کتے آسمان کی جانب منہ کر کے روتے دکھائی دیتے ہیں۔ مزید یہ کردار گرم ہواؤں کے جھکڑ، خوف زدہ لوگ، ہر سو خاموشی، آسمان پر منڈلاتے گدھ، طوفان، گدھوں کا زمین پر اتر کر لوگوں پر حملہ آور ہونا، عجیب وغریب گھر جس میں ننگے لوگ، غرض ہر طرف بے اطمینانی اور خوف وہراس کا منظر خواب میں بار بار دیکھتا ہے۔

ہر رات اس کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ پوری پوری رات وہ سو نہ پاتا۔ رات بھر اسے بے چینی کا ناگ ڈستا رہتا صبح ہوتے ہی اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگتیں۔ رات بھر جاگنے کے بعد صبح دفتر جاتے ہوئے اسے سڑکوں پر لوگوں کی بجائے ہر طرف پاگل کتے نظر آئے۔ ہر جانب افراتفری، شور، ہنگامہ، بے چینی، ہر شخص وحشت زدہ اور اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا دکھائی دیتا۔

> "وہ محسوس کرنے لگا کہ ہر کوئی ایک بے چینی اور عذاب کے زیر اثر ہے۔ ہر سمت بے سکونی، انتشار ہی انتشار۔ وہ سوچنے لگا آخر کیوں، آخر کیوں ہر جہت بے اطمینانی اور بے سکونی کا راج ہے۔"(۷۴)

افسانے کا کردار آغاز تا اختتام مسلسل کرب میں مبتلا دکھایا گیا ہے۔ انسان کے اندر کی دنیا باہر کی دنیا سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر انسان کا انداز شانت نہ ہو تو اسے باہر کی دنیا بھی شانت دکھائی نہیں دیتی۔ یہی حالت افسانے میں پیش کردہ کردار کی ہے جس کا من کرب وبے چینی کا شکار ہے اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باہر کی دنیا کی ہر شے افراتفری، کرب، بے چینی اور انتشار کا شکار ہے اسے آفس کا ہر فرد الٹی سیدھی حرکتیں کرتے دکھائی دینے لگا۔ روڈ پر چلتے لوگ، مسخ شدہ لاش اور چاروں طرف پھیلا خون اس کے کرب میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

افسانے میں جہاں بدھ کی تعلیم کا ذکر ہے وہی گوتم بدھ کا ذکر بھی موجود ہے جس کو مصنف نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ

> "گوتم بدھ کو گیا میں ایک پیپل کے درخت کے سائے تلے نروان ملا تھا۔"(۷۵)

مصنف نے گوتم بدھ کا تذکرہ کر کے گوتم بدھ اور مرکزی کردار کے درمیان مشترک خصوصیت کو واضح کیا ہے کہ دونوں کو کرب سے نجات کی جستجو تھی۔ گوتم بدھ نے کڑی تپسیا کر کے نروان حاصل کیا اور بدھ مت

مذہب کی بنیاد رکھی۔ افسانے کا مرکزی کردار گوتم بدھ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہب پر کاربند ہوتا ہے۔ جس کی بدولت اسے کرب اور دلی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

"صبح کی اذان اور مندر کی گھنٹیاں بجنے سے پہلے ہی اس نے بستر چھوڑ دیا۔ غسل کیا، صاف ستھرا لباس زیب تن کیا، پھر خوشبو سے لباس کو معطر کیا اور جب اذان ہونے لگی اور مندر کی نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں تو وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ واپسی پر اس نے دیکھا۔۔۔ دور پورب سے نور کی کرنیں پھوٹ کر فضا میں پھیلتی جارہی ہیں اور اندھیرے یوں سمٹ رہے ہیں جیسے بدھ کے سامنے انگلی مار دوزانو ہو کر سر جھکا رہا ہو۔"(۷۶)

مصنف نے اس افسانے میں گوتم بدھ کی شخصیت کی اہم خصوصیت کو پیش کر کے مرکزی کردار کو بے چینی، انتشار اور کرب سے نجات یعنی نروان پانے کا راستہ دکھایا ہے۔ مرکزی کردار کو عبادت کرنے کے بعد کرب، بے چینی اور بے اطمینانی کے اندھیرے یوں سمٹتے محسوس ہوئے جیسے بدھ کے سامنے انگلی مار دوزانو ہو کر سر جھکا رہا ہو۔

کچھ ادبا غیر جانبدار مؤرخ کی طرح مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے کی لگن رکھتے ہیں زیر نظر افسانے میں مصنف نے اسی صورت کو اپنایا ہے۔ مصنف نے غیر جانب دار مؤرخ کی طرح گوتم بدھ کی تعلیمات، کرداری خصوصیات اور اس دور کے اہم کردار انگلی مار کی اصلیت کو سامنے لایا ہے۔ انگلی مار تاریخ میں ظالم و جابر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس کا سامنا جب گوتم بدھ سے ہوتا ہے تو بدھ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر ان کے آگے سر جھکا لیتا ہے۔

زیر نظر افسانے میں گوتم بدھ کی تعلیمات اور کرداری خصوصیات کو پیش کر کے یہ سبق دیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر طرف دکھ ہی دکھ ہیں، انسان کے لیے دنیاوی کاموں کے ساتھ مذہبی امور پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے یعنی انسان کو میانہ روی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اگر انسان صرف دنیا کے کاموں میں پڑا رہے گا تو اس کو قلبی سکون و اطمینان کبھی حاصل نہ ہو گا لہذا قلبی اطمینان پانے کے لیے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا بے حد ضروری ہے۔

یہ افسانہ موجودہ دور کی مکمل عکاسی پیش کرتا ہے۔ آج کے دور میں ہر آدمی دن رات مشین کی طرح دنیا کے کاموں میں مصروف دکھائی دیتا ہے جس کی بدولت اس کی زندگی میں بے سکونی، کرب اور بے اطمینانی

نظر آتی ہے۔ عبادات اور مذہبی احکامات قلبی وروحانی سکون کا باعث بنتے ہیں لہذا ان کو اپنانا ہر فرد پر لازم ہے کیوں کہ دکھوں سے نروان انہی کی بدولت ملتا ہے۔

۳۔ یوگ اور سنیاس

یوگ کے معنی ریاضت، عبادت، مشق، ورزش وغیرہ کے ہیں جبکہ دنیا اور بری عادات کو ترک کر کے فقیری اختیار کرنے کو سنیاس کہا جاتا ہے اس عمل کو کرنے والے شخص کو سنیاسی کہا جاتا ہے۔ یوگ اور سنیاس کے حوالے سے اہم افسانوں میں "پتے"، "کچھوے"، "واپس" اور "پورا گیان" شامل ہیں کہ ان میں دنیا کو تیاگ کر فقیری اپنانے والوں مثلاً رشیوں، گیانیوں، بکشوؤ، تتھاگت وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔

"پتے" انتظار حسین کے ان افسانوں میں سے ایک ہے جن کی بنیاد بدھ جاتکوں پر ہے اور یہ افسانہ افسانوی مجموعے کچھوے میں شامل ہے جو کہ مطبوعات لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے اور ایک مضمون ہے۔ اس افسانے میں جاتکوں کے سلسلے کو گوتم کی تعلیمات کے ذریعے سے آگے بڑھایا گیا ہے۔ یہ واضح تعلیمات درج ذیل ہیں:

آنکھ سب سے زیادہ گناہ کرتی ہے کیوں کہ آنکھ آدمی کو مایا کے جال میں پھنساتی ہے جس سے آدمی دکھی ہوتا ہے۔ بدھ مت میں بھکشوؤں کو واضح تعلیم دی گئی ہے کہ بھکشا لیتے وقت مت دیکھو اور مت پھنسو اور نہ ہی دکھ اٹھاؤ۔

بھکشوؤں کے لیے بدھ مت میں واضح نیم ہے کہ وہ ایک جگہ سے بھکشا نہ لیں بلکہ گلی گلی پھرتے رہیں۔ آج یہاں کل وہاں، ہر روز ایک ہی جگہ سے بھکشا لینا منع ہے۔ اس نیم کا پالن کرنا ہر بھکشو پر لازم ہے۔

تتھاگت کبھی کسی کو کسی بات پر نا نہیں کہتے حتی کہ ان کے سامنے ماس لا کر رکھا گیا انھوں نے وہ بھی کھالیا۔ اسی طرح بھکشوؤں کو چاہے کہ وہ کسی کو نا نہ کہیں کسی کو دکھ نہ دیں لوگ بالک سمان ہوتے ہیں لہذا ان کی اچھا پوری کرنی چاہیے یہی بدھ نیتی ہے۔

موہ میں دکھ ہے۔ آرزو آدمی کو دکھ پہنچاتی ہے۔

ناری کی نگرانی کٹھن مرحلہ ہے۔ کلائی پکڑ کر رکھنے پر بھی جل دے جاتی ہے۔

لوگوں کو آپ اپنا دیپ بننا چاہیے۔ خود پر بھروسہ ہی انسان کو کامیاب کرتا ہے۔

آدمی موہ میں حواس خمسہ کی وجہ سے پھنستا ہے۔ بدھ مت میں حواس خمسہ کو دکھ کے پانچ دروازے کہا گیا ہے۔

جتنی سچائیاں آدمی کی مٹھی میں آتی ہیں اسے انہی کا پرچار کرنا چاہیے۔ تتھاگت یعنی بدھا نے بھی انہی سچائیوں کا پرچار کیا جو ان کی دسترس میں تھیں یعنی جن کے بارے میں ان کو علم تھا۔

گیان سے انسان کا من شانت ہو جاتا ہے اور اس کی کامنائیں زرد پتوں کی مانند جھڑ جاتی ہیں۔

سندر تا ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہر رُت بدلتی رہتی ہے۔

ان تمام تعلیمات کا پرچار مہاتما بدھ نے کیا اور افسانہ نگار نے ان تعلیمات کو اپنی مہارت سے افسانے کی زینت بنایا۔

پتے جاتکوں پر مبنی کہانی ہے جس میں یہ کھوج لگائی گئی ہے کہ رتیں دکھ کے پانچ دروازوں سے ملی ہوئی ہیں یہ پانچ دروازے انسان کی پانچ حسیں ہیں اور ان کے ذریعے ہی آدمی موہ کے جال میں پھنستا ہے اور دکھ اٹھاتا ہے۔

بھکشو سنجے اور آنند محو گفتگو ہیں، سنجے کا جی بیاکل (بے چین) ہے۔ جس کا کارن (وجہ) ناری ہے لہذا آنند سنجے کو بودھی حکایتیں سلسلہ در سلسلہ سنا کر عقل و دانش کے رموز و نکات بتلاتا ہے۔ بھکشو سنجے کو موہ نے گھیرا ہوا ہے، بہت وچار کے بعد بھی اسے سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اپنے من کی بے چینی کو کیسے ختم کرے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے وہ آنند کے پاس گیا اور اسے ساری بپتا کہہ سنائی۔ آنند اس کو کہتا ہے کہ

"بندھو! گلیاں اور ڈیوڑھیاں موہ کا جال ہیں۔ بھکشوؤں کا نیم یہ ہے کہ وہ گلیوں میں رکتے نہیں اور ڈیوڑھیوں میں ٹھہرا نہیں کرتے۔۔۔ مگر مورکھ تو نے اس نیم کا پالن نہیں کیا تو نے وہی کیا جو سندر سمدر نے کیا تھا۔"(۷۷)

سنجے کا کردار انسانی فطرت کا عکاس ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی گناہوں کی جانب راغب ہو جاتا ہے۔ گناہ آدمی کو اپنی طرف اسی طرح کھینچتے ہیں جس طرح پانی مچھلی کو۔ سنجے جو کہ بھکشو ہے نہ چاہتے ہوئے بھی ناری کے جال میں پھنس جاتا ہے حالانکہ بدھ مت مذہب میں بھکشوؤں کے لیے اس حوالے سے باقاعدہ قوانین موجود ہیں۔ حفیظ سید اپنی تصنیف گوتم بدھ، زندگی اور افکار میں بھکشوؤں کے احکامات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"راہبوں کے لیے جنسی تعلقات قطعی ممنوع ہیں اس کے گناہ کا درجہ چوری اور قتل کے برابر ہے۔ ان میں سے اگر کسی گناہ کا مرتکب کوئی راہب ہو گا۔ تو وہ سنگھ سے نکال دیا جائے گا۔"(۷۸)

اتنے کڑے نیم کے باجود سنجے موہ کے جال میں پھنس گیا۔ جبکہ وہ بھکشا لینے کے نیم جانتا تھا بھکشو گلیوں میں رکتے نہیں بلکہ ایک گلی سے دوسری گلی، ایک چوکھٹ سے دوسری چوکھٹ پھرتے ہیں۔ ایک جگہ سے بھکشا لینا ان کے نیم کے خلاف ہے مگر پھر بھی انسانی فطرت سے مجبور ہو کر وہ ناری کے جال میں پھنس گیا۔ اس کے مہندی لگے گورے گورے پیر، موہنی مورت، چندر ما جیسا مکھ، مورنی کی سی گردن، پتلی کمر، ماتھے کی لال بندی اور بسنتی ساڑھی دیکھ کر بھکشو سنجے کے حواس اڑ گئے۔ وہ سدھ بدھ کھوئے ٹکٹکی باندھے اس ناری کو تکتا ہی چلا گیا۔

پربھو آنند اس کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے سندر سمدر کی کہانی سناتا ہے۔ جس میں سندر سمدر جو کہ بڈھا بڑھیا کا اکلوتا پتر تھا۔ بدھ دیو کے اپدیش کے کارن وہ بھکشو بن بیٹھا۔ بڈھا بڑھیا اس کی جدائی میں آنسو بہانے لگے۔ ایک کنچنی ان سے کہتی ہے کہ وہ ان کے پوت کو واپس لائے گی۔ لہذا اس کام کے لیے کنچنی نے اس نگر اونچی حویلی لی اور بھکشو سندر سمدر کی راہ تکنے لگی۔ جب بھکشو سندر سمدر اس راہ آیا تو کنچنی نے اسے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے اس سے روز نئی اچھا کرنے لگی۔ سندر سمدر نے غور کیا اور پھر دل میں کہنے لگا کہ

"تتھاگت نے کبھی کسی کو نا نہیں کیا۔۔۔ مجھے بھی یہی نیتی اپنانی چاہیے۔"(۷۹)

بدھ مت مذہب میں دعوت سے انکار کرنا جائز نہیں۔ بدھ مت مذہب اپنے ماننے والوں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک سے اچھا سلوک کرنا چاہیے اور کسی کو نا نہیں کرنی چاہیے۔ لہذا انتظار حسین کے کردار بھکشو سندر سمدر نے بھی اس تعلیم پر عمل کیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ کنچنی کے من میں کیا چل رہا ہے۔ اس طرح وہ اس کے جال میں پھنس گیا۔ دوسری طرف تتھاگت اس بھکشو کی حالت کو اپنے گیان سے جان لیتا ہے۔ اور اپدیش دیتے وقت سندر سمدر سے پوچھتا ہے کہ تیرا من کس وجہ سے پریشان ہے؟ جواب میں کہتا ہے کہ موہ کے کارن تتھاگت اس کا جواب سن کر کہتے ہیں کہ

"بھکشو! موہ میں دکھ ہے کامنا آدمی کی دردشا کرتی ہے۔ کامی آدمیوں سے وہ بندر بھلے جنھوں نے یہ بھید جان کر گرہ میں باندھا اور سکھ پایا۔"(۸۰)

پھر تتھاگت بھلے بندروں کی جاتک سنانے لگتے ہیں کہ کس طرح ایک بندر کو شکاری جتن کر کے پکڑتا ہے اور بنارس کے راجہ کو دے آتا ہے۔ راجہ اس بندر کی چاکری یکھ کر خوش ہوتا ہے اوراسے آزاد کر دیتا ہے۔ آزادی کے بعد وہ بندر اپنے جنگل میں واپس آجاتا ہے۔ اسے دیکھ کر باقی بندر اس سے سوال کرتے ہیں کہ کہاں رہے اتنے دن؟ اس پر وہ جواب دیتا ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان رہا۔ جہاں پر اس نے دیکھا کہ مردوں کو عورتیں کس طرح اپنے جال میں پھنساتی ہیں اور دکھ دیتی ہے۔ تتھاگت نے یہ جاتک سنائی اور کہا کہ وہ بندر میں تھا جس کو شکاری پکڑ کر لے گیا تھا جبکہ دوسرے بندر میرے بھکشو تھے۔

انتظار حسین نے یہاں پر بدھ مت کا فلسفہ حیات بیان کیا ہے۔ جس کے مطابق انسان مختلف روپوں میں بار بار جنم لیتا ہے۔ انسان کے یہ روپ اس کے اعمال کے کارن وجود میں آتے ہیں۔ لازمی نہیں کہ ہر جنم میں انسان کو ایک ہی روپ دیا جائے بلکہ انسان ہر جنم میں مختلف روپ دھار کر جنم لیتا ہے۔ جیسا کہ زیر نظر افسانے میں تتھاگت اور ان کے بھکشو اپنے ایک جنم میں بندر بن کر جنم لیتے ہیں اوراپنے نیک اعمال کے کارن اگلے جنم میں انسان کاروپ دھار لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ جنم چکر چلتا رہتا ہے۔ تتھاگت بندروں والی جاتک سنا کر خاموش ہوگئے تب ایک بھکشو نے سوال کیا کہ ناری کمزور ہونے کے باوجود زورآور مرد کو دھوکا دے جاتی ہے؟

انتظار حسین عورت کی ایک خصلت کو آشکار کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ بعض اوقات مرد کو کس طرح سے کمزور ہونے کے باوجود چکما دے جاتی ہے۔ اس حوالے سے مصنف تتھاگت کی زبانی چاتر راجکماری کی جاتک سناتے ہیں کہ تکشلا میں علم حاصل کرنے والے بنارس کے راجہ کی بیٹی راجکماری راجہ کی کڑی نگرانی کے باوجود رسا کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ انتظار حسین کی اس کہانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ناری کی نگرانی کٹھن مرحلہ ہے۔ کلائی پکڑو تب بھی وہ دھوکہ دے جاتی ہے۔ تتھاگت یہ جاتک سنا کر کہنے لگے کہ وہ راجہ میں تھا کہ پچھلے جنم میں راج گدی سنبھالی تھی اور راجکماری میری پتری تھی جو مجھے جل دے گئی۔ میں نے حکمرانی کے راز تو جان لیے مگر ناری کے بھید نہیں جان سکا۔ آنند بھکشو سنجے کو کہانی سنا کر چھپ ہو گیا۔ سنجے سوچنے لگا کہ اسے موہ کے جال سے کون بچائے گا؟ آنند بولا:

"ہے سنجے میں تجھ سے وہی کہتا ہوں جو امی تابھ نے مجھ سے کہا تھا کہ آنند تو اب آپ اپنا دیب بن۔"(۸۱)

بدھ مت کی اہم تعلیم خود پر بھروسہ کرنے کا سبق یہاں واضح دکھائی دیتا ہے۔ انسان جب مشکلات میں گر جاتا ہے تو کوئی بھی اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اسے اپنی راہ کا دیا خود ہی بننا پڑتا ہے۔ سنجے بھی اسی تعلیم پر عمل کرتا نظر آتا ہے۔ لہذا موہ کے جال سے نکلنے کے لیے وہ جنگل جنگل پھرتا ہے۔ آخر وہ اس راز کو پالیتا ہے کہ انسان موہ میں پانچ دروازہ کے راستے پھنستا ہے۔

"کبھی کوئی کومل پنکھڑی چھو کے، کبھی کوئی رسیلی بانی سن کے، پھر کبھی کوئی مہک اسے
لے اڑتی ہے کبھی رنگ اسے لے ڈوبتا ہے۔"(۸۲)

مگر اس جال سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے پت جھڑ آگئی۔ ہر طرف سوکھے پتے بکھرے نظر آنے لگے۔ ان کو دیکھ کر اسے یاد آیا کہ تتھاگت نے باس کے وقت سوکھے پتے اپنی مٹھی میں بھر کر آنند کو سچائیوں کا درس دیا تھا کہ انسان اتنی ہی سچائیوں کا پرچار کر سکتا ہے جتنی سچائیاں اس کی دسترس میں ہیں۔ سچائیاں جنگل میں پھیلے پیلے پتوں کی مانند ان گنت ہیں جس طرح آدمی ان سب پتوں کو مٹھی میں نہیں لے سکتا۔ اسی طرح سچائیاں بھی مٹھی میں نہیں لی جاسکتی۔ اس یاد نے اسے گیان کی جانب مبذول کر دیا وہ آسن مارے بیٹھا رہا۔ جب آنکھیں کھولیں تو بہت سمے بیت چکا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کی کامنائیں سوکھے زرد پتوں کے سماں جھڑ چکی ہیں۔ گیان کے بعد اس کا من شانت تھا لہذا وہ واپس ہو لیا۔ ایک نئے جذبے کے ساتھ وہ پھر شراوستی کی گلیوں میں بھکشا لینے آیا۔ مگر اس نے پھر انہی مہندی لگے پاؤں کو دیکھا اور اس کا من بیاکل ہو گیا۔ اس کی آتما بے قرار ہونے لگی۔ وہ ایک بار پھر ناری کے جال میں پھنس چکا تھا۔ اس کے اندر کی رت پھر بدلنے لگی۔ اسی کیفیت میں وہ خود سے باتیں کرنے لگا کہ اس کے اندر پھر کوئی نئی کونپل پھوٹ پڑی ہے اور چلتے چلتے وہ کہاں آگیا اور یہ کیسے پتے ہیں کہ اس کی مٹھی میں سما گئے ہیں جبکہ جنگل میں بکھرے پتے تو ان سچائیوں کی طرح ہوتے ہیں جو ان گنت ہوتی ہیں اور ہماری مٹھی میں ان گنت سچائیاں ان گنت پتوں کی طرح نہیں سما سکتی۔

بدھ مت کی تعلیمات اور اس کے پیروکار اس افسانے کے بنیادی محرکات ہیں۔ انتظار حسین نے غیر جانب دار مورخ کی طرح گوتم بدھ اور اس کے بعد کے دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت کو سامنے لانے کی سعی کی ہے۔ مصنف نے جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ بھی قدامت آمیز ہے۔ اس زبان کی بدولت قدیم عہد سازی میں مدد ملی ہے۔ افسانے میں قدیم عہد کے بہت سے الفاظ بلکہ جملوں کا واضح استعمال نظر آتا ہے مثلاً

"تتھاگت مسکائے بولے بھکشوؤ! ناری نربل ہے تو کیا ہوا۔ چاتر جو ہوئی اپنی چترائی سے
بلوانوں کے بل نکال دیتی ہے۔"(۸۳)

اسی طرح آگے چل کر راجکماری اپنے پتا سے کہتی ہے کہ

"کیسی سندر ور شا ہو رہی ہے میں تو اس ور شا میں اشنان کروں گی۔"(۸۴)

یہ مثالیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انتظار نہ صرف تاریخ کو افسانہ بنانے میں ماہر ہیں بلکہ اس قدیم عہد کی زبان کا فن بھی بخوبی جانتے ہیں۔ افسانہ قاری کے لیے دلچسپی کا باعث اس صورت بنتا ہے جب اس افسانے میں قدیم عہد سازی کے ساتھ زبان کے الفاظ کا مناسب استعمال بھی موجود ہو۔ کیوں کہ غیر مناسب الفاظ کا استعمال افسانے کو قاری کی سمجھ سے بالاتر کر دیتا ہے۔ مگر زیر نظر افسانے کو پڑھ کر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کی زبان قاری کو بوجھل محسوس نہیں ہوتی قاری ہر جملے کو آسانی سے سمجھ جاتا ہے۔

اگر اس افسانے کو آج کے دور کی معاشرتی حالت کے تناظر میں دیکھا جائے تو انتظار حسین کا یہ شاہکار آج کے دور کا آئینہ ہے۔ اس میں وہی خرابیاں دکھائی گئی ہیں جو آج کے معاشرے میں موجود ہیں اور انہی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے جن کی آج کے معاشرے کو اشد ضرورت ہے۔ آج کا انسان بے حیائی اور جنسی ہوس پرستی میں مبتلا ہے۔ میڈیا نے معاشرے کی ان بیماریوں کو اور بھی واضح کر کے دکھانا شروع کر دیا ہے۔ سوشل ایپس پر بے حیائی عام ہو رہی ہے۔ پہلے کے دور میں میڈیا کی غیر موجودگی کی بدولت یہ گناہ صرف طوائفوں کے کوٹھوں تک محدود تھا مگر آج میڈیا کی بدولت معاشرہ ان گناہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ آنکھ ہی سب سے بڑی پاپی ہے۔ آنکھ کو اگر اسلامی تعلیمات کا لبادہ پہنایا جائے تو یقیناً ان گناہوں سے بچا جاسکتا ہے۔ افسانے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہر شخص کو ان سچائیوں یا تعلیمات کا پرچار کرنا چاہیے جن کے بارے میں اسے علم ہے۔ ہر شخص کو معاشرے کی اصلاح کے لیے اپنے حصے کی شمع ضرور روشن کرنی چاہیے۔ تبھی یہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

اس ضمن میں دوسرا اہم افسانہ "کچھوے" ہے جس کا شمار انتظار حسین کے ان افسانوں میں ہوتا ہے جو کہ جاتک کتھاؤں پر مشتمل ہیں۔ یہ افسانہ افسانوی مجموعے "کچھوے" میں شامل ہے جو کہ سنگ میل پبلی کیشنز کے زیر اہتمام ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے اور ایک مضمون "نئے افسانہ نگار کے نام" موجود ہیں۔ کچھوے اس مجموعے کی ایک منفرد کہانی ہے جس میں انتظار حسین کا فن ایک نئے اور اچھوتے رخ سے سامنے آتا ہے۔ افسانے کا اسلوب بیان منفرد ہے اور زبان پر ہندی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

اس افسانے کو تخلیق کرتے وقت انتظار حسین نے اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق ردوبدل کی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر آصف فرخی لکھتے ہیں کہ

"مصنف نے جاتک کتھاؤں کو اٹھایا ہے لیکن سیدھے سبھاؤ ان کی باز گوئی نہیں کی، ان کو اپنے فنی اغراض و مقاصد کے تحت نئے سرے سے جوڑ کر نئے مفاہیم و معنی پہنائے ہیں۔ جاتک کتھا کے مانوس اور پہلے سے موجود متن میں اپنی مرضی کی افسانوی معنویت پیدا کر دی ہے۔"(۸۵)

مصنف نے گوتم بدھ کے افکار کی بخوبی عکاسی پیش کی ہے۔ جاتک کتھاؤ میں اپنی منشا کے مطابق افسانوی معنویت پیدا کر کے سلسلہ وار پیش کیا ہے۔ افسانے میں موجود سلسلہ وار ذیلی کہانیوں میں دلچسپی کے ساتھ تسلسل کا عنصر ہے جو کہ کہانیوں کے سلسلے کو جوڑے رکھتا ہے اور قاری کو بے ربطی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ افسانہ نگار نے افسانے میں جاتک کہانیاں بیان کی ہیں۔ ہر کہانی گوتم بدھ کی تعلیمات کا واضح عکس پیش کرتی ہے مثلاً

ا۔ گوتم بدھا کی تعلیمات کے مطابق بھکشوؤں کو بلاوجہ نہیں بولنا چاہیے۔ نہ ہی انھیں دل میں خواہشات کو جگہ دینی چاہیے۔ اس حوالے سے رشید احمد نے اپنی تصنیف تاریخ مذاہب میں بھکشوؤں کے اصول بیان کئے ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ

"اونچے اور چوڑے کوچوں پر نہیں بیٹھیں گے۔"(۸۶)

انتظار حسین نے افسانے میں ان بھکشو کو دکھایا ہے جو اونچے کوچوں پر بیٹھتے ہیں۔ اپنے نیم کا پالن نہیں کرتے۔ گیانی ودیاساگر کی حرکات کو دیکھ کر خاموشی سے اٹھ کر کہیں دور باس کرنے چل پڑتا ہے۔ افسانے میں مصنف نے تین کردار ودیاساگر، سندر سمدر، گوپال پیش کئے ہیں۔ بھکشو سندر سمدر اور گوپال دونوں کردار باقی بھکشوؤں کو بولتا دیکھ کر ودیاساگر کے پاس جاتے ہیں کہ بھکشو مہاتما بدھ کی تعلیمات بھول چکے ہیں۔ خواہشات کے جنگل میں پھنس چکے ہیں۔ گھاس کو چھوڑ کر پلنگوں پر سوتے ہیں۔ مگر ودیاساگر ان کی اس شکایت کا جواب دینے کی بجائے خاموش رہتا ہے۔ آنکھیں موندیں بیٹھا رہتا ہے۔ سندر سمدر اور گوپال کے اصرار پر آنکھیں کھولتا ہے اور جواب دینے کی بجائے طوطوں کی جاتک سناتا ہے۔ جس میں یہ سکشا تھی کہ جہاں کھوٹ ہو وہاں بدھی مان کو چپ رہنا چاہیے کیوں کہ ایسی جگہ بولنے سے جان کا خطرہ ہے۔ اس جاتک کہانی میں بدھا طوطے کا روپ دھار کر اپنی تعلیم کا پرچار کرتے ہیں۔

۲۔ جاتک سنانے کے بعد ودیا ساگر تین رات بغیر کچھ کھائے پیئے آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔ اس پر سندر سمدر اور گوپال نے کہا:

"ہے ودیا ساگر، کیا تتھاگت نے نہیں کہا تھا کہ پیٹ بھرنے کے لیے کھاؤ اور پیاس بجھانے کے لیے پیو۔"(۸۷)

مصنف نے یہاں گوتم بدھ کی بتائی ہوئی تعلیم اشٹانگ مارگ کا تذکرہ کیا ہے۔ بھکشوؤں اور گیانیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ درمیانی راہ اختیار کریں نہ زیادہ عیش و عشرت بنیں اور نہ ہی بھوکے پیاسے رہ کر کڑی تپسیا کریں بلکہ نروان کے حصول کے لیے کھانا پینا لازمی ہے۔

۳۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق کھانے کو یہ سوچ کر تناول کرنا چاہیے کہ مٹی سے مٹی مل رہی ہے۔ افسانے کا کردار ودیا ساگر اسی تعلیم پر عمل پیرا نظر آتا ہے۔ وہ کھانا ایسے کھاتا ہے کہ اس میں کوئی سواد نہ ہو اور ندی کا پانی ایسے پیتا ہے جیسے وہ گرم ہو۔ کہانی آگے بڑھتی ہے اور سندر سمدر ودیا ساگر سے بھکشوؤں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بھکشو گوتم بدھ کے بتائے قوانین پر عمل نہیں کرتے۔ درختوں کی چھاؤں میں تپسیا کرنے کی بجائے چھتوں تلے اونچی گھاٹوں پر آرام کرتے ہیں۔ بھکشو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور ان کے درمیان دشمنی پلنے لگی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان کو سکشا دیں۔ آپ ہمارے گیانی ہو۔ اس پر ودیا ساگر مینا کی جاتک سناتے ہیں۔ جس میں گوتم بدھ کی تعلیم

"ہر ایرا غیرا کو نصیحت کرنا مفت میں مصیبت مول لینا ہے۔"(۸۸)

کارفرماں ہے۔ اس جاتک میں بدھ کا جنم ایک مینا کی شکل میں ہوتا ہے۔ مینا بن کر وہ بندر کو نصیحت کرتے ہیں۔ مگر بندر مینا کا گھونسلا تنکا تنکا کر دیتا ہے۔ کہانیوں کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے ودیا ساگر ایک اور جاتک سنانے لگتے ہیں۔ جس میں برہم دت اور بندر اہم کردار ہیں۔ دونوں کردار اپنی پرجا کے راجا ہیں۔ دونوں کے ذریعے سے مصنف نے گوتم بدھ کی اس سوچ کو سامنے لایا ہے کہ

"راجہ کو چاہیے کہ پرجا کو دکھی نہ ہونے دے، چاہے اس کے کارن اسے جان ہارنی پڑے۔"(۸۹)

اس جاتک میں مہاتما بندر کے روپ میں جنم لیتے ہیں اور بندروں کے راجا بن کر اسی ہزار بندروں کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہو کر موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔

۴۔ودیاساگر سندر سمدر کے اس سوال کہ بکری کیوں ہنسی اور کیوں روئی پر بکری کی جاتک سناتے ہیں۔ جس کی بنیاد گوتم بدھ کی اس تعلیم پر ہے کہ

"جو دوسروں کا گلا کاٹے گا ایک دن اُس کا بھی گلا کاٹا جائے گا۔"(۹۰)

اس جاتک میں مہاتما درخت بن کر سامنے آتے ہیں۔ مگر پھر انسانی روپ میں جنتا کے سامنے آکر ان کو سکشا دیتے ہیں۔

۵۔سندر سمدر، گوپال اور ودیاساگر کے درمیان بھکشوؤں کے حوالے سے گفتگو جاری ہے۔ گیانی ودیاساگر راجہ برہم دت کی بیوی (جو کہ مرنے کے بعد چڑیل بن جاتی ہے اس کا منہ گھوڑی کی طرح ہوتا ہے) اور تکشیلا سے آنے والے برہمن کی جاتک سناتے ہیں جس میں بدھا کی یہ تعلیم دکھائی دیتی ہے کہ

"چڑیلوں کے بیچ گزارہ کرنا آسان ہے آدمی کے ساتھ گزارہ کرنا کھٹن کام ہے۔"(۹۱)

چڑیل کے ہاں بیٹا ہوا جو کہ بڑے ہو کر بدھیستو جی بنے۔ بنارس کے راجہ کے ہاں نوکری کی۔ ان کا امتحان لینے کے لیے راجہ نے چوری کروائی اور گوتم بدھا سے کہا گیا کہ چوری کرنے والے کا پتا لگواؤ۔ بدھیستو جی نے جھٹ پٹ چور کا پتا معلوم کر لیا۔ اس کہانی سے گوتم کی یہ سوچ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ راجہ پرجا کے لیے دھرتی سمان ہوتا ہے اسے چاہیے کہ وہ پرجا کو پالے اس کی بھوک دور کرے نا کہ پرجا کا مال چھین کر ہڑپ کر جائے۔

۶۔اسی طرح گوتم بدھ کی ایک اور تعلیم جس کا ذکر انتظار نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اپنا دیا آپ بنو" جو آدمی بے وقوف کے ساتھ چلتا ہے اسے راہ میں دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ لہذا بے وقوف اور کم عقل انسان کے ساتھ سے اچھا ہے کہ آدمی اکیلے چلے اور خود پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی راہ خود متعین کرے۔ اسے دوسرے کے بے تکے مشوروں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہی گوتم کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

۷۔سندر سمدر کے جانے کے بعد ودیاساگر اور گوپال محو گفتگو ہیں کہ بھکشوؤں نے زیادہ بولنا شروع کر دیا ہے اس پر ودیا ساگر جاتک سناتے ہیں۔ جو کہ کچھوے اور دو مرغابیوں پر مشتمل ہے۔ پانی کی کمی کے باعث مرغابیاں کچھوے سے منہ نہ کھولنے کا وچن لے کر ایک ڈنڈی کے ذریعے سے دو پہاڑوں پر لے اڑتی ہیں مگر کچھوا راستے میں منہ کھول دیتا ہے۔ بولنے کی عادت کے کارن منہ کھولتے ہی ہوا سے زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس جاتک سے مصنف نے گوتم بدھ کی تعلیم

"راجہ کی بڑائی زیادہ بولنے میں نہیں زیادہ سننے میں ہے۔"(۹۲)

کو قاری کی نظر کیا ہے۔ اس جاتک میں بدھ جی مہاراج درباری کے گھر جنم لیتے ہیں۔ بڑے ہو کر راجا کے منتری بن کر اس کو سکشا دیتے ہیں۔ گوپال پر اس تعلیم کا گہرا اثر ہوا وہ اس کارن گیانی بن گیا اور گوتم بدھا کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہوئے بولا

"یہ سنسار دکھ کا استھان ہے۔ راج پات موہ کا جال ہے ماتا پتا استری مایا کا کھیل ہیں۔ ہم بھکشو تتھاگت کے بالک ہیں۔"(۹۳)

آخر میں گوپال نے جانا کہ بھکشوؤں کو اپنے وچاروں کی دیکھ بھال رکھنی چاہیے اور اگر بھکشو برائی کی راہ پر چل پڑے تو خود کو اس راہ سے اسی طرح نکالنا چاہیے جس طرح دلدل سے ہاتھی نکلتا ہے۔ یہی گوتم بدھا کی تعلیمات ہیں۔ افسانہ نگار نے کچھوے کی حکایت کو دوسری کہانیوں کے ساتھ جوڑ کر افسانے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ ودیا ساگر افسانے کا مرکزی کردار ہے شروع سے آخر تک اسی کردار کی بدولت انتظار حسین جاتکوں کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ آغاز میں یہ کردار گیانی کی طرح گوپال اور سندر سمدر کو مہاتما بدھ کے جنموں میں اپنائے جانے والے مختلف رویوں کی بنیاد پر تعلیمات بتلاتا ہے۔ مگر گوپال اور سندر سمدر کے جانے کے بعد خود بھی خواہشات کے شکنجے میں آنے لگتا ہے افسانے کے آخر میں اسے احساس ندامت آگھیرتا ہے اور وہ پھر سے مہاتما بدھ کی ڈگر پر چل کر گیان حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ مگر شک اسے آن گھیرتا ہے۔ یہی گیان اور اس کے بارے میں شک مرکزی کردار ودیا ساگر کی افسانوی واردات بن جاتا ہے۔ انتظار حسین نے اس افسانے میں جاتکوں کے ذریعے سے نہ صرف انسانی زندگی کے بنیادی مسائل کو سامنے لایا ہے۔ بلکہ مہاتما کی تعلیمات کو بڑے واضح اور مدلل طریقے سے پیش کیا ہے۔ یہ افسانہ انسانی زندگی کی بقا اور اخلاقیات کے حوالے سے اہم ہے۔ اس میں بھکشوؤں کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ، راجاؤں کو حکومت کرنے کا سلیقہ، عام آدمی سے حسن سلوک، جانوروں سے محبت، بے محل بولنے سے گریز، کھانے پینے میں میانہ روی کا لحاظ، زیادہ کھانے سے پرہیز، دوسروں کی مدد کرنے کی تعلیم، خود پر بھروسہ اور برائی کی راہ سے خود کو نکالنے کی سکشا دی گئی ہے۔ دیکھا جائے تو آج کا معاشرہ جن برائیوں کا شکار ہے۔ ان تمام برائیوں کے خاتمے کے لیے ان تعلیمات کی اشد ضرورت ہے۔

اسی سلسلے کا ایک اور اہم افسانہ "واپس" ہے جو کہ انتظار حسین کے ان منفرد افسانوں کی فہرست میں شامل ہے جن کی بنیاد بودھ جاتکوں پر استوار ہے۔ یہ شاہکار افسانوی مجموعے کچھوے کا دسواں افسانہ ہے جو کہ

۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے اور ایک مضمون شامل ہے۔ یہ افسانہ گوتم بدھ کی تعلیمات پر مبنی ہے، مصنف نے بدھ مت کی تعلیمات کو پیش کرنے کے لیے دو مختلف جاتکوں کو افسانے میں جگہ دی ہے اور ان جاتکوں کے چناؤ میں انتظار حسین نے اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کو مد نظر رکھا ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کے لیے ادیبوں کو مختلف صورتیں اپنانا پڑتی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نزہت سمیع الزماں اپنی تصنیف "تاریخ اور افسانہ" میں مثالیں دے کر لکھتی ہیں کہ

> "بنکم بابو اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردوبدل کو جائز سمجھتے ہیں۔"(۹۴)

انتظار حسین اس افسانے کی تخلیق میں نزہت سمیع الزماں کی بیان کردہ اسی صورت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے دو مختلف جاتکوں کو افسانے میں اس طرح سے پیش کیا کہ دونوں میں ربط نظر آتا ہے۔ پورا افسانہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کی زبان پر ہندی اثرات نمایاں ہیں۔ مصنف نے بہت سے ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے مگر یہ ہندی الفاظ افسانے کے تسلسل اور روانی میں خلل نہیں ڈالتے۔ قاری ان الفاظ کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ ان الفاظ کو اس طرح سے پرویا گیا ہے کہ قاری تحریر کو پڑھ کر بآسانی معنی تک پہنچ جاتا ہے مثلاً

> "بنارس نگری کے کتے مارے جانے لگے۔ یہ سب وہی کتے تھے جو شمشان گھاٹ میں ٹھکانہ کرتے تھے جب مرنے کٹنے لگے تو اپنے گرو کے پاس جاکے اپنی بپتا سنائی اور دہائی دی کہ اے گرو کیسا انیائے ہے کہ راج محل کے پاپی کتے نگر میں دندناتے پھرتے ہیں اور شمشان گھاٹ کے باسی بناکارن مارے جاتے ہیں۔"(۹۵)

افسانے میں ہندی الفاظ کا مناسب اور ہلکا پھلکا استعمال انتظار حسین کا امتیازی وصف ہے۔ جو کہ انھیں باقی افسانہ نگاروں میں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات کو بیان کرنے کے لیے ہندی الفاظ کا بر محل استعمال افسانے کو مزید دلچسپ اور جاذب النظر بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتظار حسین کے اس افسانے کا شمار ان افسانوں میں ہوتا ہے جن کی بدولت انتظار حسین کو الگ پہچان ملی۔

افسانے کا آغاز گوتم بدھ کی بیان کردہ جاتک سے کیا گیا ہے جس میں گوتم بدھ اپنے بھکشوؤ کو بنارس کے راجہ اور کتوں کی کہانی سنا رہے ہیں، بنارس راج محل کے کتوں نے راجہ کے رتھ کے بھیگے گدوں کا چمڑا کاٹ

کر کھالیا۔ راجہ نے اعلان کرادیا کہ راج محل کتوں کے علاوہ باقی نگر کے تمام کتوں کو مارڈالا جائے۔ کتے جب مرنے کٹنے لگے تو اپنے گرو کے پاس جاکر التجا کی کہ

"اے گرو کیسا انیائے ہے کہ راج محل کے پاپی کتے نگر میں دندناتے پھرتے ہیں اور ہم شمشان گھاٹ کے باسی بناکارن مارے جاتے ہیں۔"(۹۶)

یہ التجا سن کر گروہ راج محل راجہ کے روبرو پیش ہوا اور راجا سے کتوں کو مارڈالنے کا کارن دریافت کیا۔ جس پر راجہ نے بتایا کہ کتے اس کی رتھ کے گدے کا چمڑا کاٹ کر کھاگئے ہیں۔ اس لیے نگری کے کتوں کو مارنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ سن کر گرو نے پوچھا کہ یہ حکم راج محل کے کتوں کے لیے بھی ہے؟ اس پر راجا نے کہا

"نہیں وہ میری شرن میں ہیں۔"

گرو نے کہا

"کیسا انیائے ہے کہ اپرادھی راجہ کے شرن میں ہیں۔ نردوشی مارے جاتے ہیں۔"(۹۷)

راجہ نے پوچھا کہ اے کتے تم نے کیسے جان لیا کہ راج محل کے کتے پاپی ہیں۔ گرو نے جواب دیا کہ اے راجہ راج محل کے کتوں کو دودھ میں گھاس اور گھی ملا کر پلاؤ۔ پھر تمھیں ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ راجہ نے گروہ کتے کی بات پر جونہی عمل کیا تو راج محل کے کتوں نے ابکائی (قے، الٹی) کی اور چمڑے کے ٹکڑے اگل دیئے۔ اس کے بعد گروہ کو راجہ نے اپنا منتری بنالیا۔ اس کہانی کے بعد گوتم نے اپنے بھکشو کو بتایا کہ وہ گروہ کتا میں تھا اور شمشان گھاٹ کے کتے میرے بھکشو یعنی تم لوگ تھے۔ اس کہانی میں گوتم بدھ کی اس تعلیم کو پیش کیا گیا ہے کہ راج گدی پر بیٹھ کر راجہ کو انصاف سے کام لینا چاہیے کیوں کہ پرجا راجا کی اولاد کی طرح ہوتی ہے۔ لہذا ہر ایک کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا راجہ کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس کہانی میں انسانی نفسیات کی عکاسی کی گئی ہے کہ راج گدی پر بیٹھ کر انسان اپنے قریبی اہل وعیار پر اندھا بھروسہ کرلیتا ہے۔ جبکہ بعض اوقات وہی لوگ ایسا دھوکا دیتے ہیں جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جاتک نہ صرف قدیم عہد بلکہ جدید عہد کی بھی عکاسی پیش کرتی ہے۔ اس میں موجود گوتم بدھ کی تعلیم کی ضرورت آج کے راجاؤں، حکمرانوں اور بادشاہوں کے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی کہ قدیم عہد کے راجاؤں کے لیے رکھتی تھی۔ آج کے عہد میں دیکھا جائے تو حکمران ناانصافی اور اقربا پروری کو فروغ دے رہے ہیں۔ آج کے دور میں بھی

منتریوں اور عزیزوں کو گناہ گار ہوتے ہوئے بھی سزا نہیں دی جاتی جبکہ غریب لوگوں کو بلاوجہ سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ ناانصافی اور بغیر تحقیق کے فیصلے عام ہیں ہر طرف ظلم اور عدم مساوات کا بازار گرم ہے۔ عدالتوں میں انصاف کا بول بالا نہیں ہے۔ انصاف صرف کتب، رسائل اور میگزین میں دکھائی دیتا ہے۔

انتظار حسین نے افسانے میں دوسری جاتک بنارس کے راجہ جنسندا اور راج کمار بدھ دیو جی کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں جنسندا کی جگہ پر راج کمار بدھ دیو جی کو براجمان ہونا تھا۔ راج کمار نے تینوں ویدیں یاد کی ہوئیں تھیں اور ساری ودیا پڑھ رکھی تھی۔ بہت سے درباریوں کی نیت میں بدگمانی آئی۔ انھوں نے راج کمار کو راج گدی پر بیٹھنے سے روکنے کے لیے طرح طرح کے جتن شروع کر دیئے۔ وہ ایک بندر کو شال دوشالے اوڑھا کر لائے اور کہا کہ یہ بھلا آدمی ہے۔ اُس کی خوب تعریف کی مگر راج کمار نے کہا یہ انسان نہیں بندر ہے۔ یہاں پر بدھ مت کی تعلیم

> "جہاں بندر منتری بن جائیں وہاں اس کے سوا کیا ہو گا کہ پرجا دکھی ہو گی راج چوپٹ ہو جائے گا۔"(۹۸)

کا پالن ملتا ہے۔ اسی طرح آگے چل کر راج کمار بدھ دیو جی کو پھر سے آزمایا گیا۔ مگر وہ ہر آزمائش میں پورے اترے اور راج گدی پر بیٹھ کر راج کرنے لگے۔ انہوں نے رعایا کو بھلائی کا درس دیا۔ اور اس درس کا اثر ایک لاکھ برس تک رہا۔ دیکھا جائے تو اس تعلیم کا پرچار آج کے راجاؤں کی اولین ضرورت ہے کیوں کہ آج کے حکمران رعایا کی بھلائی کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھ کر صرف اپنے مفاد کا سوچتے ہیں اور ان کے فیصلے بھی عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے ذاتی مفاد پرستی کی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں۔

افسانے میں بھکشوؤں کا تذکرہ ہے۔ مصنف نے افسانے میں موجود کہانیوں کو اگر سین کردار کے ذریعے سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ جب اگر سین کہانیاں سنا کر چھپ ہو جاتا ہے تو بھکشو گوبند کا کردار سامنے آتا ہے جو کہ کہانیاں سن کر بیاکل دکھائی دیتا ہے۔ اس کردار کی بدولت بدھ مت میں موجود تصور حیات یعنی بار بار جنم لینے کا تصور کھل کر سامنے لایا گیا ہے۔ گوبند کا دھیان دھیرے دھیرے پچھلے جنموں کی جانب جاتا ہے جس کو مصنف نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ

"دھیرے دھیرے اس کا دھیان پچھلے جنموں کی اور گیا۔ دھیرے دھیرے اسے لگا کہ لاکھ برس سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں۔ اپنے ان گنت جنموں کے سنگ۔ دھیان ہی دھیان میں وہ الٹے پاؤں چلنے لگا۔ اس جنم سے پچھلے جنم میں، پچھلے جنم سے اور پچھلے جنم میں، پھر اور پچھلے جنم میں۔ دھیان ہی دھیان میں اس پر سارے پچھلے جنم بیت گئے۔ اور اس نے دیکھا کہ وہ بنارس کے مرگھٹ پہ کھڑا ہے۔"(۹۹)

گوبند جنموں کے کشٹ کاٹ کر انسان تو بن گیا تھا مگر وہ اس جنم سے مطمئن نہ تھا۔ وہ خود کو شمشان گھاٹ کے کتے کے روپ میں مطمئن پاتا ہے کیوں کہ اس کے نزدیک آدمی باہر سے آدمی دکھائی دیتے ہیں اندر سے ان میں آدمیوں والی خصوصیات موجود نہیں وہ خود کو اجنبی خیال کرتا ہے اور بنارس کے مہا شمشان گھاٹ کی جانب چل پڑتا ہے۔ وہ خود کو اس جنم میں بھی مرگھٹ کا باسی تصور کرتا ہے۔

بدھ مت کی تعلیم کے مطابق انسان مختلف جنم لے کر اس دنیا میں آتا ہے اور ہر جنم میں مختلف روپ دھارتا ہے۔ افسانے میں بدھ دیو جی نے پہلے کتے کے روپ میں جنم لیا اور بنارس کے راجا کو اپنی تعلیم سے سکشا دی۔ اس سکشا کا اثر اگلے ایک لاکھ برس تک رہا۔ مگر اس کے بعد راجاؤں کے لچھن بھر ویسے ہی ہو گئے جیسے بدھ جی کی تعلیم سے پہلے تھے۔ بدھ دیو کتے کے روپ میں جن کتوں کے گرو رہے ان سب نے اگلے جنم میں بدھ دیو کے ساتھ اپنے اچھے کرموں کی بدولت انسان کا روپ لیا۔ مگر راج محل کے کتے اپنے برے کرموں کی بدولت اگلے جنم میں بھی کتے ہی رہے گوتم بدھ کی تعلیم کے مطابق اچھے کرم سے کتے بھی آدمی بن جاتے ہیں اور برے کرم آدمیوں کو کتوں سے بھی بدتر بنا دیتے ہیں۔ برے کرموں کی بدولت آدمی آدمی نہیں رہتا۔ بظاہر دیکھنے میں آدمی نظر آتا ہے مگر اندر سے جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ بار بار جنم چکر کے حوالے سے کرشن کمار اپنی تصنیف گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک میں گوتم کی تعلیم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ

"زندگی اور اس کے مختلف محسوسات سے لگاؤ اور وابستگی کے نتیجہ میں انسان مرنے کے بعد اگلے جنم کے لیے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی ماں کے پیٹ میں دوبارہ وجود میں آتا ہے۔ کہیں بھی کسی بھی ماں کے پیٹ میں دوبارہ وجود میں آنے کے نتیجہ میں دوبارہ پیدائش کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔"(۱۰۰)

دوبارہ جنم مختلف محسوسات سے لگاؤ اور لالچ کا نتیجہ ہے۔ انسان اپنی خواہشات کی بدولت جنم چکر میں پھنسا رہتا ہے اور نروان ان خواہشات سے چھٹکارے کی صورت میں ہی ملتا ہے۔ یعنی اگر انسان اپنی خواہشات کو مار ڈالے تو وہ اس جنم چکر سے رہائی پا سکتا ہے۔ یہی گوتم بدھ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

اسی طرح ایک اور افسانہ "پورا گیان" یوگ اور سنیاس کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے جو کہ انتظار حسین کے چھٹے افسانوی مجموعے خیمے سے دور میں ۱۹۸۶ء میں سنگ میل پبلی کیشنز کے زیر اہتمام منظر عام پر آیا، اس مجموعے میں کل سترہ افسانے موجود ہیں۔ اس افسانے کا شمار ان خاص افسانوں میں ہوتا ہے جن میں مہاتما بدھ کی تعلیمات اور کرداری خصوصیات موجود ہیں۔ اس افسانے میں ایک برہمن منوہر کو پیش کیا گیا ہے جس کو اس کا باپ نصیحت کرتا ہے کہ

> "ہم برہمن لوگ ہیں۔ ودیا ہمارا دھن ہے۔ گیان ہمارا گہنا ہے۔ اگیانی ہونا برہمنوں کو نہیں سجتا۔"(۱۰۱)

اس کو پلے سے باندھ کر وہ سب کتب پڑھ لیتا ہے مگر اس کا باپ کہتا ہے کہ کتب سے ودیا ملتی ہے پر گیان گرو بنا نہیں ملتا، یہ سن کر منوہر گرو کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ یہی سے اس کی کھوج کا سفر شروع ہوتا ہے۔ افسانہ نگار نے افسانے کی بنیاد سلسلہ وار کہانیوں پر رکھی ہے۔ ان کہانیوں کے ذریعے سے یہ دکھایا گیا ہے کہ گیان کے مسافروں کو ناری سے بات نہیں کرنی اور اس بات کو سمجھانے کے لیے دو کرداروں کو پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ایک کردار منوہر اور دوسرا کردار سمپور مانند نامی رشی ہے جو کہ منوہر کو مختلف کہانیاں سنا سنا کر سکشا دیتے ہیں کہ گیان کے مسافر اپنی منزل تک تبھی پہنچ پاتے ہیں جب وہ ناری سے دوری بنائے رکھتے ہیں۔ پورے افسانے کا تانا بانا گوتم بدھ کی اسی تعلیم کے گرد بنا گیا ہے کہ ناری کی اور جانے والا خراب ہوتا ہے۔

> "۔۔۔تپ کا کاٹ ناری ہے۔۔۔ منش جاتی کی ایک ہی تو کمزوری ہے۔ ناری۔ کیسا کیسا لوہا لاٹھ آدمی ناری کے سامنے موم ہو جاتا ہے۔"(۱۰۲)

افسانے کی بنیاد بدھ مت کی تعلیمات ہیں لہذا مصنف نے افسانے کی تکمیل کے لیے جن تعلیمات کو قاری کی نظر کیا ان کا تعلق عام لوگوں کے علاوہ خاص طور پر ان لوگوں سے ہے جو نروان کی تلاش کے سفر پر نکلتے ہیں مثلاً

علم وہنر حاصل کرنا ہر برہمن کے لیے ضروری ہے۔ کیوں کہ بے علم ہونا برہمنوں کو زیب نہیں دیتا۔

جتنا علم لکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ سینوں میں موجود ہے اور کتابوں سے تو صرف ذخیرہ علوم ملتا ہے پر گیان گروہ کے بغیر نہیں ملتا۔

گیان کی دولت من کی شانتی سے ملتی ہے اور من کی شانتی انسان کے اندر سے پھوٹتی ہے۔ باہر سے اس کا ملنا ممکن نہیں۔

دنیا میں دکھ ہیں۔

تپ کا کاٹ ناری ہے اور ناری کے کارن بہت سے دیوتا اپنی دیوتائی کھو بیٹھے کہ تپ میں بھنگ ڈالنے والی ناری ہے۔

جو گیانی ناری کی اور گیاوہ گیان کی منزل حاصل کرنے سے قاصر رہا کہ ناری خواہشات میں مبتلا کر دیتی ہے اور مہاتما کے مطابق خواہشات دکھ کا باعث بنتی ہیں۔

پورا گیان حاصل کرنے کے لیے مسلسل تپسیا اور ناری سے دوری بنائے رکھنا بہت ضروری ہے۔

ان تعلیمات کو پیش کرنے کے لیے افسانہ نگار نے مختلف کہانیوں کا سہارا لیا ہے۔

افسانے میں انتظار حسین نے نہ صرف بدھ مت کی تعلیمات کو سامنے لایا ہے بلکہ مہاتما بدھ کی کرداری خصوصیات کے اثرات کا تذکرہ بھی موجود ہے اس حوالے سے مرکزی کردار منوہر کو پیش کیا گیا ہے جو مہاتما بدھ کی کرداری خصوصیات کا متحمل کردار ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار اور مہاتما بدھ میں کچھ خصوصیات مشترک ہیں مثلاً

دونوں کردار گھر بار چھوڑ کر گیان کے حصول کے لیے جنگلوں بیابانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

دونوں کردار گرو کی تلاش میں بن میں پھرتے ہیں۔

دونوں کرداروں کا من بیاکل تھا۔ دونوں کی آتما دکھ میں تھی۔

دونوں کردار پیپل کے پیڑ کے نیچے آنکھیں موند کر بیر اسن مار کر بیٹھ کر تپ کرتے رہے۔

مہاتما بدھ کی کرداری خصوصیات رکھنے والا انتظار حسین کا منوہر مہاتما بدھ کی طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ اس کے خیالوں میں چھائی ہوئی ناری تھی۔ مصنف نے افسانے میں تاریخی واقعات اور تاریخی کرداروں کی تصویر کشی کرتے وقت اپنے مخصوص نظریات و خواہشات اور افسانوی تقاضوں کو مد نظر رکھا

ہے۔ افسانے کی تکمیل کے لیے ایسی جاتک کہانیوں کو سلسلہ وار قلم بند کیا جن میں ناری کے کارن رشیوں، گیانیوں یا بھکشوؤں کی تپ میں بھنگ پڑا۔

افسانے میں مرکزی کردار منوہر گیان کی مایا لینے گھر سے نکل پڑتا ہے، راستے میں ایک موہنی مورت والی پنہارن اسے پانی پلاتی ہے۔ وہ پانی پی کر آگے بڑھ جاتا ہے اسے گرو کی تلاش ہے۔ چلتے چلتے گھنے جنگل میں آنکلا۔ وہاں اسے رشی سمپور مانند جی دکھلائی پڑے، ان کے چرنوں میں بیٹھ گیا۔ یہاں سے منوہر اور رشی کی گفتگو کا آغاز ہوتا ہے جو کہ افسانے کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔ مصنف نے آغاز میں دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں پیش کیا ہے مگر آگے چل کر یہ گفتگو کہانیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مصنف کا پیش کردہ مرکزی کردار منوہر ناری کے کارن پریشان ہے، اس کا من بیاکل ہے۔ اس کی آتما دکھی ہے۔ دکھ کا کارن تمنائیں ہیں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق

> "پہلی عظیم حقیقت یا سچائی دکھ ہے۔ یہ زندگی کی اصل ہے۔۔۔ جسمانی تکالیف، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کا جبر، عزیزوں سے جدائی اور قابل نفرت لوگوں کی صحبت کے علاوہ زندگی کی عارضی مسرتیں اور عیاشیاں بھی آخر کار دکھ کا باعث ثابت ہوتی ہیں۔"(۱۰۳)

منوہر ذہنی پریشانی کا شکار ہے دنیا کی عارضی مسرتوں نے اس کے من کا سکون غارت کر رکھا ہے۔ من کی شانتی کے لیے رشی اسے مختلف کہانیاں سناتا ہے۔ مصنف نے رشی کی زبانی جو پہلی کہانی منوہر کے گوش گزار کی ہے اس کا عنوان "تھوڑی چھایا لمبی دھوپ" ہے۔ اس میں راجہ ہرچرن اور ناری کے ملن کی رام لیلا ہے۔ مگر وہ ناری راجہ ہرچرن کو جُل دے جاتی ہے۔ راجہ اسے ڈھونڈتا پھرتا تھا اور پکارتا تھا کہ

"اے میری ٹھنڈی چھایا، میں دھوپ میں ہوں۔(۱۰۴)

اس کہانی کو سن کر منوہر کا من اور بیاکل ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سمپور مانند جی اسے ودھوان اور ودیار تھی کی کہانی سناتے ہیں۔ جس میں مہاودھوان ودیار تھی کو نصیحت کرتا ہے کہ ناری سے بات نہیں کرنی۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے مصنف نے سوال وجواب کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ مہاودھوان پرچاپتی اور اوشا کی کہانی ودیار تھی کو سناتے ہیں مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ ایک کنیا سرسوتی کے پیچھے ہو لیا۔ مگر سرسوتی اس سے بھاگنے لگی۔ اور ودیار تھی کی لالچ مزید بڑھ گئی۔ سرسوتی روپ بدلنے لگی۔ کبھی ہرنی کبھی مورنی۔ ودیار تھی بھی اس کے پیچھے روپ بدلتا چلا گیا۔ یہ کہانی سننے کے بعد منوہر مزید بیاکل ہو گیا۔

اس نے کہا گورو جی میں نہیں سمجھا۔ گورو جی نے اسے سمجھانے کے لیے ایک اور کہانی "تپ میں بھنگ" سنائی۔ جس میں یہ سبق تھا کہ کاٹِ تپ ناری ہے۔

اس کہانی میں ایک ناری کو دکھایا گیا ہے جو رشی ویشوامترا جی کی ریاضت میں خلل ڈال کر انھیں اپنا اسیر بنالیتی ہے اسی کارن ویشوامترا جی اپنی دیوتاؤں والی شکتیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یہ کہانی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ناری وہ واحد وجہ ہے جس کے کارن دیوتاؤں کے عہدے پر پہنچنے والے رشی بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہ کہانی بھی منوہر کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ مزید بیاکل ہو گیا۔ لہذا رشی نے منوہر کو اسی ناری کی طرف جانے کا کہہ دیا۔ ناری سے ملنے کے بعد واپس آکر منوہر نے دیکھا رشی سمپور اسی طرح بیراسن مارے بیٹھے تھے۔ دراصل رشی سمپور کہانیاں سنانے کے بعد خود شک میں مبتلا ہو گئے اور ناری کی تاڑ میں جمنا کے کنارے جاکر کشتیوں کی جانب دیکھنے لگے۔

مصنف نے ان کہانیوں کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ انسانی فطرت نہیں بدلتی۔ قدرت نے انسان کو جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا ہے، نہ صرف عام آدمی بلکہ بھکشو، گیانیوں، سادھو اور رشیوں کے دل میں خواہشات کا جنم لینا فطری عمل ہے۔ انسان پھر چاہے جس بھی درجے پر ہو اس فطری عمل سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ مصنف کی بیان کردہ کہانیوں کا نتیجہ یہی ہے کہ عورت ذات بڑے بڑے رشیوں و گیانیوں کو بھی اپنی اور متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی ان کی کئی سالوں کی محنت و مشقت والی ریاضت میں بھنگ ڈالنا بخوبی جانتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ادیب معاشرے کا سب سے حساس فرد ہوتا ہے جو معاشرے کے حالات کو سب سے پہلے بھانپ کر انہیں آنے والی نسلوں کے لئے کاغذ پر اتار کر محفوظ کرتا ہے۔ اس کی تحریروں سے آنے والی نسلیں استفادہ کر کے اپنی زندگیوں کو آسان بناتی ہیں بالکل اسی طرح اردو افسانہ نگاروں نے گوتم بدھ کی کرداری خصوصیات اور تعلیمات کو افسانوں میں پیش کر کے معاشرے کو نئے انداز سے جینے کا ڈھنگ بتلایا۔ ہمارا معاشرہ تشدد، غیر اخلاقی رویوں اور بے جا خواہشات کی بدولت ذہنی الجھنوں اور بے سکونی کا شکار ہے۔ شعور کی کمی کی بدولت انسانی زندگی میں سادگی کی بجائے تصنع عام ہے۔ ہر کوئی دکھاوے اور تعصب کی آگ میں جل رہا ہے۔ افسانہ نگاروں نے ان تمام حالات کے پیش نظر گوتم بدھ کی تاریخی شخصیت کی کرداری خصوصیات اور تعلیمات کو افسانوں میں پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، گنی چنی کہانیاں، وکاس پبلشنگ ہاؤس پرائیویٹ لیمٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۲، ص ۲۴۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴۴

۳۔ امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷، ص ۱۸۳

۴۔ انتظار حسین، گنی چنی کہانیاں، ص ۲۴۱

۵۔ اے۔ ایل ہاشم، ہندوستانی تہذیب کی داستان، آصف جاوید نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۴۰۸

۶۔ احمد رشید، کھوکھلی گگر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹، ص ۹۷

۷۔ ایضاً، ص ۹۷

۸۔۔ ایضاً، ص ۹۹

۹۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ناشر: نزہت سمیع الزمان، دانش محل امین، لکھنو، ۱۹۸۵، ص ۹

۱۰۔ شوکت حیات، گنبد کے کبوتر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰، ص ۲۴۹۔ ۲۵۰

۱۱۔ مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۵۷، ص ۲۷

۱۲۔ دیا نرائن نگم، ہندوستان سے ابچے دیگر دھرم بدھ جین سکھ رادھا سوامی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳ ص ۳۰

۱۳۔ مجیب اشرف، قدیم ہندوستان کی سیکولر روایات، مکتبہ جامعیہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۳، ص ۴۱

۱۴۔ مجیب احمد خان، ڈاکٹر، مرتب، گلستان اور بھی ہیں حجاب امتیاز علی کے افسانے، ناشر: ڈاکٹر مجیب احمد خان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۰۱

۱۷۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص ۲۷۹

۱۸۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص ۹

۱۹۔ انتظار حسین، شہر افسوس، مکتبہ کارواں، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۷، ص ۲۵۸

۲۰۔ محمد اکرم رانا، بین الاقوامی مذاہب، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص ۴۷

۲۱۔ انتظار حسین، شہر افسوس، ص۲۵۸

۲۲۔ ایضاً، ص۲۴۹۔ ۲۵۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً، ص۲۵۶

۲۶۔ ایضاً، ص۲۷۰

۲۷۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص۹

۲۸۔ انتظار حسین، کچھوے، ناشر: خالد احمد نجیب احمد مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۱، ص۱۰

۲۹۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص۲۷۹

۳۰۔ انتظار حسین، کچھوے، ص۹

۳۱۔ ایضاً، ص۱۳

۳۲۔ رام لعل، مرتب، خواجہ احمد عباس کے منتخب افسانے، سیمانت پرکاش دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۸۸، ص۹۶

۳۳۔ ایضاً، ص۹۸

۳۴۔ ایضاً، ص۹۹

۳۵۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص۲۶۸

۳۶۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص۹

۳۷۔ عشرت ظہیر، ابھرتی ڈوبتی لہریں، شبستان ادب، گیا، اکتوبر ۱۹۷۹، ص۳۰

۳۸۔ امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، یاسر جواد، ص۱۸۳

۳۹۔ عشرت ظہیر، ابھرتی ڈوبتی لہریں، ص۳۲۔ ۳۴

۴۰۔ ایضاً، ص۳۵

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ محمد اکرم رانا، بین الاقوامی مذاہب، ص۴۷

۴۳۔ رتن سنگھ، پناہ گاہ، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰، ص۴۳

۴۴۔ ایضاً، ص۳۹

۴۵۔ ایضاً، ص۴۸

۴۶۔ ایضاً، ص۴۴

۴۷۔ ایضاً، ص۴۴

۴۸۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص۹

۴۹۔ شہناز رحمٰن، نیرنگ جنون، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶، ص۱۳۸

۵۰۔ ایضاً، ص۲۵۵

۵۱۔ عادل زمان خان ،ایک راج کمار۔ ایک مہاتما گوتم بدھ، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، جنوری ۲۰۲۲، ص۳۲۵

۵۲۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص۲۶۹

۵۳۔ مجیب اشرف، قدیم ہندوستان کی سیکولر روایات، مکتبہ جامعیہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۳، ص۴۱

۵۴۔ رابعہ الربا، مرتب، اردو افسانہ عہد حاضر میں ، جلد اول، ملتان انسٹی ٹیوٹ پالیسی اینڈ ریسرچ ، ملتان، ۲۰۱۷، ص۶۰۶

۵۵۔ ایضاً، ص۶۰۸

۵۶۔ مشتاق مومن، رت جگوں کا زوال، نیو رائٹرس پبلی کیشنز، بمبئے، ۱۹۸۴، ص۱۷۔۱۸

۵۷۔ ایضاً، ص۱۸

۵۸۔ محمد اکرم رانا، بین الاقوامی مذاہب، ص۳۷

۵۹۔ منیرہ احمد شمیم، بے گیان گوتم (افسانے)، پورب اکادمی، اسلام آباد، نومبر ۲۰۱۰، ص۱۰۳

۶۰۔ ابو احمد مولانا محمد انس رضا قادری، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، مکتبہ اشاعۃ الاسلام، لاہور، ۱۱ نومبر ۲۰۱۷، ص۴۱۹

۶۱۔ منیرہ احمد شمیم، بے گیان گوتم (افسانے)، ص۱۱۳

۶۲۔ انتظار حسین، خالی پنجرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳، ص۱۱

۶۳۔ ایضاً، ص۱۲

۶۴۔ ایضاً، ص۱۴

۶۵۔ ایضاً، ص۱۶

۶۶۔ ایضاً، ص ۲۴

۶۷۔ امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، یاسر جواد، ص ۱۸۳

۶۸۔ ابرار مجیب، رات کا منظر، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۵، ص ۴۳

۶۹۔ ایضاً، ص ۴۷

۷۰۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص ۳۷

۷۱۔ ابرار مجیب، رات کا منظر، ص ۴۷

۷۲۔ امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، یاسر جواد، ص ۱۸۴

۷۳۔ ابو احمد مولانا محمد انس رضا قادری، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، ص ۴۱۹

۷۴۔۔ ابرار مجیب، رات کا منظر، ص ۹۵

۷۵۔ ایضاً، ص ۹۶

۷۶۔ ایضاً،

۷۷۔ انتظار حسین، پتے، مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۹۴

۷۹۔ ایضاً، ص ۷۶

۸۰۔ ایضاً، ص ۹۶

۷۱۔ ایضاً، ص ۹۷

۸۱۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۸۲۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۸۳۔ ایضاً، ص ۹۸

۸۴۔ ایضاً، ص ۹۹

۸۵۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار، انتظار حسین، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص ۶۷

۸۶۔ رشید احمد، تاریخ مذاہب، قلات پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۷۹، ص ۳۰۱

۸۷۔ انتظار حسین، کچھوے، ص ۵۷

۸۸۔ ایضاً، ص ۷۶

۸۹۔ ایضاً، ص۷۷

۹۰۔ ایضاً، ص۷۸

۹۱۔ ایضاً، ص۸۰

۹۲۔ ایضاً، ص۸۷

۹۳۔ ایضاً، ص۸۸

۹۴۔۔ نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ص۹

۹۵۔ انتظار حسین، کچھوے، ص۱۰۷

۹۶۔ ایضاً، ص۱۰۷

۹۷۔ ایضاً

۹۸۔ ایضاً، ص۱۰۹

۹۹۔ ایضاً، ص۱۱۰

۱۰۰۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص۲۴۹۔۲۵۰

۱۰۱۔ انتظار حسین، خیمے سے دور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶، ص۵۸

۱۰۲۔ ایضاً، ص۶۵

۱۰۳۔ کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص۲۴۲

۱۰۴۔ انتظار حسین، خیمے سے دور، ص۶۲

باب چہارم:

مجموعی اثرات کا مطالعہ

اردو میں افسانوی ادب کی ابتداء سترہویں صدی عیسوی میں ہوئی جب ملا وجہی نے سب رس لکھی۔ اس کی ابتدائی شکل داستان ہے جس کا رواج انیسویں صدی تک رہا اور اسی صدی کے نصف میں ناول کو متعارف کرایا گیا۔ جب سے انسان نے مشینی دنیا میں قدم رکھا تب سے اس کی زندگی دن بدن مصروف سے مصروف تر ہوتی چلی گئی جس کا اثر تمام شعبہِ زندگی کی طرح ادب پر بھی پڑا۔ جدید دور کے انسان نے اپنی بڑھتی ہوئی مصروفیات کے تحت تقاضا کیا کہ اسے کوئی ایسی تحریر پڑھنے کو ملے جو مختصر ہونے کے ساتھ اس کے نفسیاتی، جذباتی اور تاریخی و تفریحی تقاضوں کو پورا کر سکے لہذا جدید دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ادیبوں نے مختصر افسانے کی بنیاد رکھی۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ داستان سے ناول اور ناول سے افسانے تک کے سفر میں انسانی زندگی کی دن بدن بڑھتی ہوئی مصروفیت کا عمل دخل ہے۔

افسانے کو انگریزی میں شارٹ اسٹوری کہا جاتا ہے۔ یہ داستان اور ناول کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ افسانے کے لغوی معنی جھوٹی بات، کہانی، قصہ وغیرہ کے ہیں جبکہ اصطلاح میں ایسی مختصر کہانی جس کی بنیاد ایک خیال، واقعہ یا ایک جذبے پر رکھی جائے افسانہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح تاریخ کے لغوی معنی میں کسی چیز یا واقعہ کے ظہور کا وقت، زمانے کا عرصہ، قوموں اور فرقوں کے حالات و واقعات اور حادثات کا تحریری تذکرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اصطلاحی مفہوم کے مطابق تاریخ ایسا علم ہے جو ماضی میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔

دیکھا جائے تو تاریخ اور افسانے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دونوں کو جدا رکھنا سہل نہیں۔ دنیا کے ادب کی طرح اردو ادب کی تقریباً تمام اصناف خاص طور پر افسانے میں تاریخ کی کار فرمائی عام ہے۔ دونوں یعنی تاریخ اور افسانے کا تعلق واقعات کے بیانیے سے ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حقیقی واقعات کو بیان کرنا تاریخ ہے جب کہ افسانے کا تعلق تخئیلی، خیالی اور تخلیقی واقعات و کرداروں سے ہے۔ مزید یہ کہ تاریخ صرف ماضی جب کہ افسانہ ماضی و حال دونوں کی بات کرتا ہے۔ تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے لکھاریوں کو مختلف صورتیں اپنانا پڑتی ہیں مثلا

۱۔ تاریخ چونکہ خشک مضمون ہے۔ لہذا بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے رومان کا سہارا لے کر کہانی کو دل چسپ بناتے ہیں۔ اس حوالے سے انتظار حسین کے افسانے "نر ناری"، اور "قدامت پسند لڑکی"، احمد رشید کا "بن باس کے بعد" اور حجاب امتیاز علی کا "وہ قدیم اداس رات" اہم افسانے ہیں۔

۲۔ بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے انسانی فطرت کی گوناگوں کیفیات کی تصویر کشی میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے انتظار حسین کا افسانہ "شہر افسوس" اور عشرت ظہیر کا افسانہ "میں گوتم ہوں" اہم ہیں۔

۳۔ بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے غیر جانب دار مورخ کی طرح ایک مخصوص دور کے تاریخی واقعات کی حقیقت اور اس دور کے تاریخی کرداروں کی اصلیت معلوم کرنے میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے نمائندہ افسانے "بنارس کا ٹھگ از خواجہ احمد"، "راج محل از شہناز رحمٰن" اور "باز یافت از ابرار مجیب" ہیں۔

۴۔ بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے کشاکش کے موضوع کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

۵۔ بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے اپنے مخصوص نظریات اور خواہشات کے مطابق تاریخی حقائق میں ردو بدل کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس حوالے سے ابرار مجیب کا "نروان سے پرے" اور انتظار حسین کا "واپس" اہم افسانے ہیں۔

۶۔ بعض لکھاری تاریخ کو افسانہ بنانے کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ شوکت حیات کا افسانہ "بلی کا بچہ" اس حوالے سے اہم افسانہ ہے۔

اردو ادب کا مختصر افسانہ اکیسویں صدی میں داخل ہو کر اپنی عمر کے سو سال مکمل کر چکا ہے اس سو سالہ سفر کے دوران ادیبوں نے وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر تاریخی شخصیات اور اہم تاریخی واقعات کو افسانے میں پرویا جس کی بدولت موضوعاتی اعتبار سے افسانے کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا انہی تاریخی شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت گوتم بدھ کی ہے جسے تاریخ میں مختلف حوالوں سے اہم جانا جاتا ہے مثلاً محبت، نروان، دکھ، امن، اخلاقیات اور انسان دوستی وغیرہ، افسانہ نگاروں نے گوتم بدھ کے انہی حوالوں کو موجودہ صورتحال کے مطابق ڈھال کر افسانوں میں پیش کیا ہے۔

(الف): کرداروں کے حوالے سے مجموعی اثرات کا مطالعہ

تاریخ میں گوتم بدھ کو مختلف ناموں سے جانا جاتا تھا مثلا گوتم ،سدھارتھ ،بدھا،بدھ ،مہاتما و غیرہ،افسانہ نگاروں نے انہیں ناموں کا استعمال اپنے افسانوں میں کیا ہے۔ اس حوالے سے دو طرح کے افسانے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اول ایسے افسانے جن میں گوتم بدھ کے نام کا استعمال ان کی کرداری خصوصیات کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی کہ کردار میں نام کے ساتھ گوتم بدھ والی خصوصیات بھی دکھائی گئی ہیں۔ اس قسم کے لکھاریوں کا مقصد گوتم بدھ کے ناموں کے ساتھ ساتھ اس کی کرداری خصوصیات کو قاری تک پہنچانا ہے۔اس حوالے سے دیوندر ستیارتھی کا افسانہ "گٹاری کے انڈے" اہم افسانہ ہے۔

دوم ایسے افسانے جن میں صرف گوتم کا نام استعمال کیا گیا یعنی گوتم کے کردار کو ہو بہو پیش نہیں کیا گیا بلکہ گوتم کے نام کا استعمال منفی خصوصیات والے کرداروں کے لیے کیا گیا ہے مثلاً "میاں کی جوتی از سیم حیدر ہاشمی "۔اس کے پس پردہ درج ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً

اول: گوتم کا نام مصنف نے لاشعوری طور پر استعمال کیا ہے کیوں کہ یہ نام مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔خاص طور پر ہندوؤں میں اس نام کا استعمال عام ہے لہذا افسانہ نگار نے باقی ناموں کی طرح گوتم کے نام کو بھی لاشعوری طور پر برتا ہے

دوم: تاریخ میں گوتم بدھ مذہبی رہنما اور ایک مصلح کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔لہذا یہ تاثر عام ہے کہ گوتم کا نام ہمیشہ مثبت خصوصیات والے کردار کے ساتھ ہی بیان کیا جائے گا مگر مصنف نے منفی کردار کے لئے گوتم کے نام کا استعمال کر کے ان ٹیبوز کو توڑنے کی کوشش کی ہے جو گوتم بدھ کے حوالے سے مشہور ہیں۔

سوم :ایک وجہ رواج کے الٹ چلنا یعنی روایت سے انحراف ہے ۔اردو ادب میں گوتم بدھ کے نام کے کرداروں کو مثبت انداز میں پیش کرنے کی روایت چلی آرہی تھی کچھ افسانہ نگاروں نے منفی خصوصیات والے کردار کے لئے گوتم نام کا استعمال کر کے اس روایت سے انحراف کیا ہے۔

چہارم: افسانہ نگاروں نے منفی کردار کو گوتم کا نام دے کر یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ نام کا اثر شخصیت پر نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق ماحول، سماج یا جغرافیے سے ہوتا ہے۔ گوتم پر ماحول کا اثر ہوا جس کی بدولت وہ گوتم سے گوتم بدھ بن گئے مگر بعض لوگ گوتم نام کے باوجود حیوانوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ ان کے اندر

انسانوں والی خصوصیات ناپید ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے رتن سنگھ کا افسانہ ایک گا تھا اہم ہے۔ جس میں گوتم نامی کردار نہ صرف فقیروں بلکہ رشی کنیا کے ساتھ بھی برا سلوک کرتا ہے۔

اس کے علاوہ گوتم کے ناموں سے اخذ شدہ ناموں کا استعمال بھی افسانوں میں کیا گیا ہے اس حوالے سے اے حمید کا افسانہ "اور پل ٹوٹ گیا" اور مشتاق مومن کا افسانہ "ادھورا گیان" اہم افسانے ہیں ان میں بالترتیب گوتما اور سدھارتا نام کا استعمال ہے۔

نام کے علاوہ گوتم بدھ کی شخصی و روحانی خصوصیات کو بھی افسانوں میں پیش کیا گیا۔ گوتم بدھ کا کردار رحم دلی، محبت، شفقت، خلوص، گیان، امن، تپسیا کا دھنی، نروان، عدم تشدد اور انسان دوستی کا پیکر ہے۔ لکھاریوں نے ان کی یہی خصوصیات افسانوں میں پیش کیں ہیں اس حوالے سے جن افسانہ نگاروں نے افسانے تخلیق کئے ان میں دیوندر ستیار تھی (گٹاری کے انڈے)، مشتاق مومن (کریم لگا بسکٹ اور چیونٹیاں)، اے خیام (کپل وستو کا شہزادہ)، ابن کنول (ایک ہی راستہ)، انتظار حسین (بچھتاوا) اہم ہیں۔

(ب): افکار پر مجموعی اثرات کا مطالعہ

گوتم بدھ نے فلسفی یا مصلح کی حیثیت سے اپنی تعلیمات پیش کیں یہی اخلاقی تعلیمات اردو افسانے میں نمایاں ہوئی جنھیں لکھاریوں نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے افسانوں میں گاہے بگاہے عوام کی فلاح و رہنمائی کے لئے پیش کیا۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کو چار حقائق کے نام سے جانا جاتا ہے۔

پہلی عظیم سچائی کے مطابق دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ انسان کی زندگی پیدائش سے موت تک دکھوں کا شکار رہتی ہے۔ اس تعلیم کے مطابق پیدائش دکھ، بڑھاپا دکھ اور موت بھی دکھ ہے۔ افسانہ نگاروں نے اس عظیم سچائی کو اپنے افسانوں میں پیش کر کے قاری کے سامنے دنیا کی حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ اس حوالے سے بہت سے لکھاریوں نے افسانے تخلیق کئے مثلاً عشرت ظہیر (میں گوتم ہوں)، رتن سنگھ (ایک گا تھا)، شہناز رحمٰن (راج محل)، احمد اعجاز (مہاتما بہت دکھ ہیں) اور خواجہ احمد عباس (بنارس کا ٹھگ) وغیرہ وغیرہ۔

دوسری اہم سچائی میں دنیا کے دکھوں کی وجہ یعنی خواہشات کا ذکر موجود ہے۔ مہاتما بدھ کے مطابق دنیا کے دکھوں کے پس پردہ انسان کی خواہشات ہیں انہی خواہشات کی وجہ سے انسان جنم چکر میں پھنس جاتا ہے۔ اس عظیم سچائی کو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں بڑے احسن طریقے سے پرویا ہے۔ اس حوالے سے مشتاق مومن کا "کریم لگا بسکٹ اور چیونٹیاں" اور منیرہ شمیم کا "بے گیان گوتم" وغیرہ اہم افسانے ہیں۔

تیسری عظیم سچائی کے مطابق خواہشات کو کم کر کے انسان اپنی زندگی میں موجود دکھوں سے چھٹکارا پا سکتا ہے کہ خواہش و حرص دکھوں کے سلسلے کی بنیاد ہے اگر انہیں ترک کر دیا جائے تو دکھ کے ازلی جال کو توڑا جا سکتا ہے اس طرح انسان جنم مرن کے چکر سے مکت ہو کر نروان پا سکتا ہے۔ نروان کے حوالے سے لکھے گئے افسانوں میں نروان سے پرے، بازیافت وغیرہ اہم افسانے ہیں۔

چوتھی اہم سچائی وہ اہم ہشت پہلو راستہ ہے کہ جس پر چل کر دکھوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، تاریخ میں یہ اشٹانگ مارگ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس سے مراد ایسا درمیانی راستہ ہے جو آٹھ اصولوں پر مشتمل ہے۔ صحیح نقطہ نظر، صحیح نیت اور ارادہ، صحیح قول، صحیح عمل، کسی جان دار کو نقصان نہ پہنچانا، صحیح کوشش، صحیح ہوشیاری، صحیح مراقبہ۔ ان اصولوں کو افسانہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے انتظار حسین کے افسانے پتے، کچھوے، واپس وغیرہ اہم ہیں۔

جب کسی دوسری قوم، مذہب یا نظریے کو افسانہ نگار اپنے افسانوں میں پیش کرتے ہیں تو اس کی بدولت ایک طرف افسانے کا دامن موضوعاتی حوالے سے وسیع ہوتا ہے تو دوسری جانب تخلیق کار اور قاری کا ذہن وسعت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ سوچ کے نئے زاویے آشکار ہوتے ہیں۔ گوتم بدھ کی کرداری خصوصیات اور تعلیمات کو اردو ادب کے افسانہ نگاروں نے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے جس سے افسانے کی فکری فضا میں رنگا رنگی پیدا ہوئی۔ نئے مذہب اور اس کی تعلیمات سے اردو ادب کا قاری متعارف ہوا۔

نتائج

تاریخ کو فکشن میں سمونے کی روایت پرانی ہے۔ بہت سی تاریخی شخصیات کے حوالے سے تحقیقی کام ہوتا آیا ہے مجوزہ تحقیق اسی سلسلے کی کڑی ہے جو کہ اردو افسانے میں تاریخی شخصیت گوتم بدھ کے کردار اور تعلیمات کے حوالے سے اہم ہے۔

۱۔ گوتم بدھ کے حوالے سے لکھے گئے افسانے اردو ادب میں اساطیری ماحول کو بڑھانے میں اہمیت کے حامل ہیں۔

۲۔ تاریخ اور فکشن کو ملا کر افسانہ لکھنے کے عمل کو سمجھنے کے لیے گوتم کے حوالے سے لکھے گئے افسانے اس بنا پر اہم ہیں کہ گوتم بدھ کا کردار بیک وقت تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے اور اساطیری بھی، اس لئے اس سے وابستہ تاریخ بھی اساطیری حوالہ رکھنے کے باعث فکشن سے قریب تر ہے۔

۳۔ مجوزہ تحقیق کے ذریعے ہمارے سامنے دو طرح کے افسانے آتے ہیں اول ایسے افسانے ہیں جن میں گوتم کے کردار کو من و عن پیش کیا گیا ہے۔ یعنی کردار میں وہ خصوصیات دکھائی گئی ہیں جو گوتم بدھ کی شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں مگر نام کا استعمال نہیں کیا گیا اس حوالے سے دو افسانے اہم ہیں ایک ہی راستہ از ابن کنول اور کپل وستو از عشرت ظہیر۔ دوم ایسے افسانے جن میں گوتم کے کردار کو ہو بہو پیش نہیں کیا گیا بلکہ افسانہ نگاروں نے افسانے میں صرف گوتم نام کے استعمال پر اکتفا کیا ہے۔ اسی طرح ایسے افسانے بھی سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے کہ جن میں افسانہ نگاروں نے بیک وقت گوتم کے نام اور خصوصیات دونوں کا استعمال کیا ہے۔ ایسے افسانوں کی تعداد تین ہے۔ اور پل ٹوٹ گیا از اے حمید، ادھورا گیان از مشتاق مومن اور خدا کا بھیجا ہوا پرندہ از صدیق عالم۔

۴۔ اس تحقیق کی بدولت گوتم بدھ کی پیدائش سے قبل کا مذہبی، سیاسی، معاشرتی ماحول سامنے آیا جس کی بدولت گوتم بدھ کی تعلیمات کی حقیقت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس شخصیت کو افسانہ نگاروں نے افسانوں میں پیش کر کے نہ صرف اس دور کے ماحول سے قاری کو روشناس کرایا بلکہ بدھا کی تعلیمات کے پیش نظر اپنے معاشرے سے برائیوں کو ختم کرنے اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کا درس بھی دیا۔

۵۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کی بنیاد چار عظیم سچائیوں پر استوار ہے۔ مگر افسانہ نگاروں کے ہاں پہلی دو صداقتوں یعنی دنیا دکھوں کا گھر اور دکھوں کی علت خواہشات کو زیادہ اہمیت دی گئی جبکہ باقی دو سچائیوں یعنی خواہشات پر قابو اور اشٹانگ مارگ کی طرف افسانہ نگاروں نے کم توجہ دی ہے۔

سفارشات

مجوزہ تحقیق کی بدولت اردو افسانے میں تاریخی شخصیت گوتم بدھ کی تعلیمات اور کرداری خصوصیات کو سامنے لایا گیا ہے مگر درج ذیل پہلو ایسے ہیں جن پہ مزید تحقیقی کام کی ضرورت ہے:

۱۔ تاریخی شخصیت گوتم بدھ کی طرح دیگر تاریخی شخصیات کے کردار و افکار کا اردو ادب میں پر تو پر تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ گوتم بدھ کو اخلاقیات، امن، عدم تشدد اور انسان دوستی کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے لہذا اردو ادب میں علامت نگاری کے تحت ان علامتوں پر کام کی گنجائش ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

ابرار مجیب، رات کا منظر، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۵ء

ابن کنول، ڈاکٹر، بند راستے، ہم قلم پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۰ء

احمد رشید، کھوکھلی کگر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹ء

انتظار حسین، پتے، مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۱ء

ایضاً، خالی پنجرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳

ایضاً، خیمے سے دور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء

ایضاً، شہر افسوس، مکتبہ کارواں، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۷ء

ایضاً، کچھوے، ناشر: خالد احمد نجیب احمد مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۱ء

ایضاً، گنی چنی کہانیاں، وکاس پبلشنگ ہاؤس پرائیویٹ لیمٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

اے حمید، خزاں کا گیت، مکتبہ اردو لاہور، جولائی ۱۹۵۱ء

اے خیام، کپل وستو کا شہزادہ، منظر پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۳ء

رابعہ الربا، مرتب، اردو افسانہ عہد حاضر میں، جلد اول، ملتان انسٹی ٹیوٹ پالیسی اینڈ ریسرچ، ملتان، ۲۰۱۷ء

رام لعل، مرتب، خواجہ احمد عباس کے منتخب افسانے، سیمانت پرکاش دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء

رتن سنگھ، پناہ گاہ، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء

شوکت حیات، گنبد کے کبوتر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ء

شہناز رحمٰن، نیرنگ جنون، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء

صدیق عالم، مرے ہوے آدمی کی لالٹین، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹

عبدالسمیع، مرتبہ، شہر شہر آوارگی، جلد دوم، عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء

عشرت ظہیر، ابھرتی ڈوبتی لہریں، شبستان ادب، گیا، اکتوبر، ۱۹۷۹ء

مجیب احمد خان، ڈاکٹر، مرتب، گلستان اور بھی ہیں حجاب امتیاز علی کے افسانے، ناشر: ڈاکٹر مجیب احمد خان، ۲۰۰۸ء

مشتاق مومن، رت جگوں کا زوال، نیو رائٹرس پبلی کیشنز، بمبئے، دسمبر ۱۹۸۴ء

منیرہ احمد شمیم، بے گیان گوتم (افسانے)، پورب اکادمی، اسلام آباد، نومبر ۲۰۱۰ء

وسیم حیدر ہاشمی، مریخ کا سفر، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنو، دسمبر ۲۰۱۰ء

ثانوی ماخذ

ابو احمد، مولانا محمد انس، اسلام اور عصرِ حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، مکتبہ اشاعتہ الاسلام، لاہور، ۱۱ نومبر ۲۰۱۷ء

اقبال، کلیات اقبال اردو، کتب خانہ حمیدیہ گڑھیا اسٹریٹ، دہلی، ۱۹۹۰ء

امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفہ مذاہب، یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء

اے ایل ہاشم، ہندوستانی تہذیب کی داستان، آصف جاوید نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۰ء

آصف فرخی، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار، انتظار حسین، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

دیانرائن نگم، ہندوستان سے اپجے دیگر دھرم بدھ جین سکھ رادھا سوامی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳ء

رشید احمد، تاریخ مذاہب، قلات پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۷۹ء

سید آل احمد رضوی، مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام، ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، بار اول، ۱۹۹۱ء

عادل زمان خان، ایک راج کمار ایک مہاتما گوتم بدھ، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، جنوری ۲۰۲۲ء

عاطف محتشم خان، تصوف تاریخ کی روشنی میں، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۲۰ء

عبد القادر سرور، اصول افسانہ نگاری، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء

کرشن کمار / خالد ارمان، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، آصف جاوید نگارشات پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء

مجیب اشرف، قدیم ہندوستان کی سیکولر روایات، مکتبہ جامعیہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء

محمد اکرم رانا، بین الاقوامی مذاہب، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

محمد حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ زندگی اور افکار، آزاد انٹر پرائزر، ۱۹۴۲ء
مسعود الحسن خان صابری افغانی، قدیم دنیا کی تاریخ و تہذیب، زاہد محی الدین بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء
مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۵۷ء
منمتھ ناتھ دت، شری کرشن، گوتم بدھ اور دوسرے رہنما، نارائن پرشاد ورما مہر، اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳ء
نزہت سمیع الزمان، تاریخ اور افسانہ، ناشر: نزہت سمیع الزمان، دانش محل، امین آباد، لکھنو، ۱۹۸۵ء

لغات

فیروز الدین، مرتب، فیروز الغات اردو جامع، فیروز سنز، لاہور